انٹرنیشنل
ملی ٹائمز
نئی دہلی
اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

اس شمارے میں

* شری کرشنا کمیشن کے خاتمہ کے بعد بمبئی کے مسلمانوں کو دھمکیاں۔
* پاکستان میں حمید گل کی پارٹی کیا گل کھلائے گی؟
* مغرب نے تسلیم کرلیا کہ مستقبل اسلام کا ہے۔
* ایک ہندو تنظیم کی پر اسرار اسلحہ دوستی کی چشم کشا داستان۔
* صدام کے دامادوں کا قتل کیوں ہوا؟ ملی ٹائمز حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے۔
* صدر جمہوریہ نئی وزارتی کونسل تشکیل دیں ۔ ایک معروف انگریزی صحافی کے تاثرات۔
* اسلام اور فدائین اسلام کے خلاف سید شہاب الدین کی ہرزہ سرائی۔
* لوئی فرح خان کی سرگرمیوں سے امریکی ایوان میں زلزلہ۔

اس کے علاوہ دیگر اہم موضوعات اور مستقل کالم

AUSTRALIA	A$3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$4.95	SRILANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K	60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$2.50	U.S.A.	$1.25

شری کرشنا کمیشن کے خاتمہ سے فسادیوں میں زبردست جوش وخروش

بمبئی کے مسلمانوں کو شیوسینا کے غنڈوں کی دھمکیاں

تقسیم ملک کے بعد بھڑکے سب سے بھیانک مسلم کش فسادات کی انکوائری کرنے والے جسٹس شری کرشنا کمیشن کی برخاستگی کے بعد بمبئی کے مسلمانوں میں زبردست خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔ باالخصوص وہ مسلمان ڈرے سہمے اور خوفزدہ سے ہیں جنھوں نے کمیشن کے سامنے گواہیاں دے کر پولیس اور شیوسینکوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان مسلمانوں پر بھی مایوسی چھا گئی ہے جو دسمبر ۹۲ اور جنوری ۹۳ سے انصاف کی آس لگائے بیٹھے تھے اور جن کو یہ امید تھی کہ ایک نہ ایک دن ان کا، ان کے عزیزوں کا اور بے قصور مسلمانوں کا خون رنگ لائے گا اور پھر ظالموں و قاتلوں کی جماعت اپنے کئے کی سزا بھگتے گی۔ جن کو یہ امید تھی کہ عدالت اپنا کام کرے گی اور انصاف کا تقاضہ پورا کرکے مظلومین کے زخموں پر مرہم پاشی کرے گی۔ لیکن انکوائری کمیشن کے خاتمہ کے بعد ان کی آرزوؤں نے دم توڑ دیا، ان کے خواب چکنا چور ہو گئے۔ ان کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور اس سے بھی زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ وہ ایک بار پھر خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے ہیں اور فسادات کا نہیں تو کم از کم شیوسینکوں اور پولیس کے انتقام کا خدشہ ضرور پیدا ہو گیا ہے۔

جب ۲۲ سالہ ناظمہ یعقوب اور اس کے اہل خانہ کو مقامی مسجد کے امام نے شری کرشنا کمیشن میں بیان حلفی داخل کرنے کا مشورہ دیا تو انہیں کیا پتہ تھا کہ کمیشن ہی کا قتل ہونے والا ہے اور وہ جن کے زخموں پر مرہم پاشی کی راہ دکھا رہے ہیں انہیں مزید زخموں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ناظمہ اور اس کے گھر والوں کے ذریعہ کمیشن میں حلف نامہ داخل کئے ہوئے ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ انہیں اس کی "سزا" مل گئی اور غنڈوں کی ایک بھیڑ نے اس کے گھر پر حملہ کرکے اسے تہس نہس کر ڈالا۔ کوئی سامان ایسا نہیں تھا جو برباد نہ کر دیا گیا ہو، گھر میں ایک بھی چیز صحیح سلامت نہیں بچی۔ وسطی بمبئی کے بی آئی ٹی چال میں واقع مکان اور مکین کو ناکردہ گناہوں کی سزا دے دی گئی۔ ناظمہ کو گھر اور گھر کی اشیا کی تباہی کا اتنا زیادہ غم نہیں ہے جتنا اپنی ۲۲ سالہ زندگی کی قیمتی کمائی یعنی کالج اور گریجویشن کی اسناد کی بربادی کا ہے۔ غنڈوں نے اس کی تعلیمی اسناد کو پانی میں ڈال کر تباہ کر دیا۔

ناظمہ کی والدہ مہرالنساء یعقوب کمیشن میں حلف نامہ داخل کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ اسے شیوسینا کے غنڈوں کی طرف سے انتقامی کارروائی کا خدشہ تھا اسی لئے وہ اس اقدام سے بچتی رہی اس کا کہنا تھا کہ اس کے پڑوسی ہندو جو کہ اکثریت میں ہیں اس جرات کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔ لیکن اس کی بیٹی نے ماں کی دلیلوں کو نظر انداز کرکے حلف نامہ داخل کروا دیا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ فسادات کے مجرموں کو سبق سکھا سکتی ہے۔ لیکن مجرموں نے اسے ہی سبق سکھا دیا۔

مزگاؤں چال میں واقع ہے ۲۰ سالہ یاسمین واگلے کا گھر، فساد کے دوران اس کے ۱۸ سالہ بھائی شاہنواز واگلے کو ایک پولیس کانسٹبل نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہی ختم کر دیا تھا۔ وہ اس کا اکلوتا بھائی تھا۔ جب وہ انکوائری کمیشن کے سامنے گواہی دینے پہنچی تو کمرہ عدالت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بمبئی پولیس کے وکیل وشو گپتا کی جرح کے دوران وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور عوام کی قطار میں اس کے والدین سسک رہے تھے۔ اس نے جب اپنے بھائی کے قتل کا واقعہ بیان کیا تو لوگوں کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس کو امید تھی کہ اس کے بھائی کا قاتل پکڑا جائے گا اور اس کو ضرور سزا ملے گی۔ لیکن اب جبکہ کمیشن ختم کر دیا گیا یاسمین کے والد طاہر واگلے کا کہنا ہے کہ کمیشن کے سامنے دی گئی گواہی بیکار ہو گئی۔ ان لوگوں نے انصاف کے نام پر ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ لیکن پھر بھی واگلے پر امید ہیں۔ ان کو یقین ہے کہ اب بمبئی میں ہندو مسلم فساد نہیں ہو گا کیونکہ ان کے بقول دونوں فرقوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ سیاسی میدان میں قربانی کے بکرا کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

بمبئی فساد میں مسلمانوں پر پولیس مظالم کا ایک دردناک منظر

لیکن بمبئی سینٹرل اسٹیشن کے نزدیک فناس والا بلڈنگ میں رہائش پذیر ۴۲ سالہ ممتاز شیخ کو ہندو پڑوسیوں کی ہیبت ناک یلغار آج بھی یاد ہے۔ اس کی نگاہوں میں غنڈوں کی تلواریں اب تک چمک رہی ہیں اور اپنے گھر پر پھینکے گئے پیٹرول بم کی جلن وہ اپنی آنکھوں میں اب بھی محسوس کر رہی ہے۔ اسے وہ لرزہ خیز منظر اب بھی یاد ہے جب فسادیوں نے اس کے شوہر کو پتھروں سے مار مار کر ختم کر دیا تھا اور اسکی دو نابالغ بچیاں گیلری میں کھڑی خوف و دہشت سے لرز رہی تھیں۔ ممتاز کہتی ہے کہ میں ان میں سے کچھ لڑکوں کو ان کی پیدائش کے وقت سے ہی جانتی ہوں۔ یہ گواہی اس نے کمیشن کے سامنے دی تھی اور پورا واقعہ بیان کیا تھا۔ اس نے خوفزدہ انداز میں کہا تھا کہ میں جب بھی کمیشن کے سامنے آئی میرے دل میں یہ خوف بنا رہا کہ میں زندہ اپنے گھر واپس نہیں پہنچ پاؤں گی۔

ممتاز اور دوسرے گیارہ افراد نے دسمبر ۹۴ میں پولیس فائرنگ کی گواہی دی تھی انھوں نے کمیشن کو بتایا تھا کہ پولیس ہم لوگوں کو دھمکیاں دے رہی ہے کہ ہم گواہی نہ دیں ورنہ اس کا انجام بہت برا ہو گا۔ لیکن ممتاز کا کہنا ہے کہ ہم نے محض اس بنا پر گواہیاں دیں کہ ہم چاہتے تھے کہ دنیا کو بھی معلوم ہو کہ ہم کن مصائب و آلام سے دوچار ہیں اور ہم کیسی اذیتیں جھیل رہے ہیں۔ لیکن آج ممتاز کی یہ خواہش اس کے سینے میں دفن ہو کر رہ گئی۔ گیارہ افراد کی گواہیاں بھی مقتولین فساد کی مانند درگور ہو گئیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اب ان لوگوں کو نیا خوف لاحق ہو گیا ہے کہ وہ لوگ جو انہیں دھمکیاں دیتے تھے کمیشن کی برخاستگی کے بعد انتقامی کارروائی پر اتر آئیں گے کیونکہ اب ان کے گریبان کو پکڑنے والا کوئی نہیں ہے اور انہیں سبق سکھانے کی جرات کسی میں نہیں رہ گئی ہے۔ جب انصاف ہی کا خون ہو گیا تو پھر انصاف کون کرے گا اور کیسے کرے گا۔

حوالہ میں پھنسنے اور داؤد کے آدمیوں کو پناہ دینے سے بی جے پی کی قلعی کھل گئی

ہائے بے چارے آڈوانی پھر رتھ یاترا پر نکل پڑے

پچھلے دنوں قومی سطح پر جو سیاسی اتھل پتھل مچی اور حوالہ نے قومی سیاستدانوں کو جس طرح سنگین بحران میں مبتلا کر دیا اس سے سب سے زیادہ نقصان بی جے پی کا ہوا ہے اور ابھی بھی ہو رہا ہے۔ پارٹی صدر ایل کے آڈوانی اور مدن لال کھورانہ کے خلاف سی بی آئی نے فرد جرم داخل کر دی اور کھورانہ کو وزارت اعلیٰ کی کرسی بھی چھوڑنی پڑی۔ ادھر بی جے پی کے گونڈہ سے ممبر پارلیمنٹ برج بھوشن سرن سنگھ کو داؤد ابراہیم کے ساتھیوں کو پناہ دینے کے الزام میں جیل بھیج دیا گیا ہے۔ اس صورتحال سے بی جے پی لیڈروں کا خلجان میں مبتلا ہونا فطری ہے ان کا مرکز میں حکومت سازی کا خواب چکنا چور ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ شاید اسی لئے آڈوانی کو اپنے سیاسی بقا کے لئے ایک بار پھر رتھ پر سوار ہو کر ہندوتو کا چمپین بننے کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے۔ ۹ مارچ سے وہ اپنی دوسری رتھ یاترا پر نکل پڑے ہیں۔ یہ یاترا ۱۴ اپریل کو دہلی میں یہ ختم ہو گی۔ اس یاترا میں چار نکات کو سامنے رکھا گیا ہے۔ سور کشا (تحفظ) سمرستا (سماجی ہم آہنگی) سوچیتا (صفائی ستھرائی) اور سودیشی۔ آڈوانی نے اس یاترا کے لئے سوراج کا نعرہ دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اپنی حکومت آزادی کے بعد ہی بن گئی تھی لیکن بہتر حکومت نہیں بنی۔ اس لئے عوام بی جے پی کو ووٹ دیں تاکہ بہتر حکومت کا قیام عمل میں آ سکے۔

بی جے پی کے ممبران۔ آہ پارلیمنٹ ہم لوگوں سے دور ہوتی جا رہی ہے۔

اس وقت جو سیاسی حالات ہیں ان کی روشنی میں آڈوانی نے انتہائی خسارے کا سودا کیا ہے۔ ایک بار اگر ان کی رتھ یاترا کامیاب ہو گئی تھی اور فسادات نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس بار بھی انہیں وہی کامیابی حاصل ہو گی۔ ملکی اور سیاسی حالات میں اس وقت سے لیکر اب تک کافی تبدیلی رونما ہو گئی ہے۔ عوام نے بی جے پی کے لیڈروں کی اصل صورت دیکھ لی ہے اور وہ ان کی حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں۔

جہاں تک ان کے سوراج کی بات ہے تو لوگوں نے گجرات اور دہلی میں دیکھ لیا ہے کہ ان کی حکومتیں کتنی بہتر اور ایماندار ہوتی ہیں۔ سور کشا یعنی تحفظ کا نعرہ بھی حوالہ کے تناظر میں کھوکھلا ہو گیا ہے۔ بی جے پی کے مہارتھی مسٹر آڈوانی اور ایک قد آور سیاستداں مسٹر کھورانہ حوالہ کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور اس دلدل سے نکلنے کی انہیں کوئی راہ نہیں سجھائی دے رہی ہے تو یہ سور کشا کا نعرہ کس بنیاد پر دے رہے ہیں اور تو اور بی جے پی نے بمبئی بم دھماکوں پر کافی ہائے توبہ مچائی تھی اور داؤد ابراہیم کے نام پر تمام مسلمانوں کو شک کے

> اب جبکہ اس کا اپنا ایم پی انہیں "ملک دشمنوں" اور "غداروں" کو پناہ دینے کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو بی جے پی کے لیڈران کس منہ سے ملکی تحفظ کی بات کر رہے ہیں اور ان کے ہاتھوں ملک کیسے سلامت رہ سکتا ہے۔

باقی صفحہ ۱۶ پر

حماس کے مسلسل خودکش حملوں سے اسرائیل کے در و بام لرز رہے ہیں

یحییٰ ایاش کے قتل کے خلاف عزالدین القسام کی انتقامی کارروائیاں جاری ہیں

ایک نوجوان کہیں سے آتا ہے، اپنے ساتھیوں سے کچھ گفتگو کرتا ہے، انہیں کچھ مشورے دیتا ہے، کسی پلان پر عمل کرنے کی حکمت عملی طے کرتا ہے، اپنے دشمنوں کے صفایے کا عہد لیتا ہے۔ اپنے منصوبوں کو کامیاب انداز میں آخری مراحل تک پہنچانے کے عزم کا اظہار کرتا ہے اور اسی سلسلے میں کسی سے گفتگو کے لئے ایک شخص سے ہدیہ کئے ہوئے فون کو جیسے ہی اسٹارٹ کرتا ہے ایک زور دار دھماکہ ہوتا ہے۔ اس نوجوان کے پرخچے اڑجاتے ہیں اور اس کے ساتھیوں میں اس خبر پر غم و غصہ اور دیوانگی کی لہر دوڑ پڑتی ہے۔

ادھر یہ ایک معروف ترین بازار ہے۔ ایک مذہبی تہوار کی آمد آمد ہے۔ لوگ خریداریوں میں مصروف ہیں۔ ایک بہت بڑی دوکان کے ساتھ ایک بینک ہے جہاں ایک کیش مشین کے سامنے لوگوں کی قطار لگی ہوئی ہے۔ لوگ اپنی باری کے انتظار میں ہیں۔ پاس ہی میں ایک سفید کار کھڑی ہے اچانک اس میں زور دار دھماکہ ہوتا ہے اور نہ صرف کار کے پرخچے اڑجاتے ہیں بلکہ کیش مشین کے سامنے لوگوں کی قطاریں بھی اڑجاتی ہیں۔ آن واحد میں قیامت کا سماں ہوجاتا ہے اور ۲۰ افراد ہلاک اور تقریبا سو زخمی ہوجاتے ہیں۔

پہلا منظر فلسطین کا ہے اور ہلاک ہونے والا نوجوان فلسطینی گروپ حماس کے جنگی ونگ عزالدین القسام کا لیڈر یحییٰ ایاش ہے۔ دوسرا منظر اسرائیل کی راجدھانی تل ابیب کا ہے اور یہاں ہلاک ہونے والے سبھی اسرائیلی ہیں۔ اسرائیل میں ۹ دن کے اندر یہ چوتھا دھماکہ ہے

دھماکہ کے بعد اسرائیلیوں کا ماتم

اور ان دھماکوں میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریبا ۷۰ ہے۔ سینکڑوں زخمی ابھی بھی اسپتال میں زیر علاج ہیں۔ اس دھماکہ سے ایک دن قبل بھی تل ابیب میں ایک بس میں دھماکہ ہوا تھا جس میں ۲۷ افراد مارے گئے تھے اور تقریبا ایک ہفتہ قبل اس قسم کے دھماکہ میں ۱۹ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ ان دھماکوں کی ذمہ داری عزالدین القسام نے لی ہے اس کے خودکش بم بازوں کی یہ کارستانیاں ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ہم اپنے لیڈر کی موت کا انتقام لے رہے ہیں۔ ان دھماکوں کے بعد فلسطین اور اسرائیل میں زبردست ہنگامہ برپا ہو گیا ہے۔ اسرائیل نے حماس کے کارکنوں کو گرفتار کرنا شروع کردیا ہے ادھر یاسر عرفات نے بھی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔ اسرائیل میں زبردست غم و غصہ ہے اور اس نے شام سے امن مذاکرات کو ملتوی کردیے ہیں۔ اس نے عرفات سے کہا ہے کہ وہ ان جنگجو لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کریں۔ اسرائیل کے کہنے پر عرفات نے عزالدین القسام اور پانچ دوسرے گروپوں کو غیر قانونی قرار دے دیا ہے۔ انہوں نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ ان جنگجوؤں کو اپنی سرزمین پر اس قسم کی کارروائی کی اجازت نہ دیں۔ اسرائیلی وزراء نے حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہ فلسطین کے ساتھ جاری امن کے عمل کو روک دے۔ عرفات کا کہنا ہے کہ یہ ہمارے دشمنوں کی کارستانیاں ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ یہاں امن و امان رہے۔

یحییٰ ایاش، جنہیں لوگ انجینیر کے نام سے پکارتے تھے، حماس کے ایک سرگرم کارکن تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اسرائیل کے خلاف شہیدی حملوں کے پیچھے انہیں کا دماغ کارفرما تھا۔ ان کے قتل کے بعد حماس نے انتقام کی دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ غیر سرکاری جنگ بندی کو دوسرے فریق نے توڑا ہے۔ ایاش کی یاد میں حماس نے ایک زبردست ریلی کی تھی جس میں ایک لاکھ سے زائد لوگ شریک ہوئے تھے۔

گذشتہ فروری کے تیسرے ہفتے میں اسرائیل کی خفیہ ایجنسیوں کو اطلاعات ملیں کہ حماس کے شہیدی جانباز پھر اسرائیل پر حملہ کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اسرائیل نے غزہ پٹی اور مغربی کنارے سے اسرائیل میں فلسطینیوں کے داخلے پر پابندی لگادی۔ لیکن جیسے ہی یہ پابندی اٹھائی گئی ۲۵ فروری بروز اتوار دو فلسطینی جانبازوں نے دو مسافر بردار بسوں پر حملہ کیا جس میں ۲۷ لوگ ہلاک اور ۸۰ سے زائد افراد

یحییٰ ایاش کے قتل کے بعد مظاہرہ

زخمی ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں میں حماس کے دونوں جانباز بھی شامل تھے۔ حملے کی ذمہ داری حماس کی ملٹری ونگ عزالدین القسام بریگیڈ نے تسلیم کرتے ہوئے اسے ایاش کے قتل کی جوابی کارروائی قرار دیا۔

اس حملے کے بعد حماس کے ایک لیڈر نے اسرائیل کے ساتھ ایک غیر سرکاری قسم کی جنگ بندی کی پیشکش کی جو تل ابیب نے ناعاقبت اندیشی سے مسترد کردی۔ اسرائیلی وزیر

باقی ص۱۳ پر

قومی سطح پر فیصلہ کن لڑائی کے لئے دلت رہنماؤں کا طبل جنگ

کیا مہاراشٹر میں کانگریس کے بعد اب شیوسینا اور بی جے پی کی بھی سیاسی قبریں تیار ہوگئی ہیں اور کیا اب ان پارٹیوں کی تدفین عنقریب ہے؟ یہ سوالات حال ہی میں منعقد ہوئی ریپبلکن پارٹی کی ایک بڑی ریلی کی کامیابی کی روشنی میں سر اٹھا رہے ہیں۔ مہاراشٹر میں شیوسینا کے بعد اگر کسی میں سیاسی قوت ہے تو وہ دلت اور امبیڈکر وادی سیاسی گروپوں اور تنظیموں میں ہے۔ ان کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے اور گذشتہ دنوں ان میں اتحاد پیدا ہو گیا ہے۔ یہ اتحاد ریپبلکن پارٹی کے پلیٹ فارم پر ہوا اور ان کی متحدہ ریلی میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کرکے شیوسینا بی جے پی حکومت کو ایک چیلنج دے دیا ہے۔ شیواجی پارک میں نیلی ٹوپی اور نیلے جھنڈے کا جو سیلاب گذشتہ دنوں آیا اس سے شیوسینا بی جے پی اور کانگریس اتنی خوفزدہ ہیں کہ انہیں اس سیلاب میں اپنی سیاسی پونجی کے بہہ جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔

اگر یہ اتحاد قائم رہا اور مختلف گروپوں کے لیڈروں نے آپسی چپقلش یا ذاتی مفادات کو پس پشت ڈال کر منظم حکمت عملی کے تحت انتخابی مہم چلائی تو شیوسینا بی جے پی کے لئے زبردست خطرہ پیدا ہو سکتا ہے اور اگر یہ اتحاد جسے تیسری طاقت کا نام دیا جارہا ہے یوں ہی قائم رہا تو بقیہ پارٹیوں کی سیاسی موت کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے۔ ان پارٹیوں میں بھاریہ ریپبلکن پارٹی، دلت پینتھر، سمیک کرانتی، مہاراشٹر ریپبلکن پارٹی، انڈپینڈنٹ لیبر پارٹی، دلت مکتی سینا، بھاریا اور ریپبلکن قابل ذکر ہیں۔ اور لیڈران میں پرکاش امبیڈکر، مہتیں بھارتیہ، رام داس اٹھوالے، آر ایس گوئی، جوگیندر کواڑے، نامدیو ڈھسال، بی سی کامبلے، گھنشیام تلواڈکر، راجہ ڈھالے، شیورام موگا اور ٹی ایم کامبلے اہم ہیں۔

ان تنظیموں نے ۲۸ جنوری کو ریلی اور ۲۶ فروری کی بمبئی بند کی کال دیکر موجودہ حکومت کو ہلادیا ہے۔ بمبئی بند کے دن تو کئی مقامات پر جھڑپیں بھی ہوئی تھیں۔ شیوسینا بی جے پی حکومت ان پارٹیوں کی اس لئے بھی مخالف ہے کہ یہ پارٹیاں موجودہ حکومت کی پالیسیوں کی سخت مخالف ہیں۔ ان لیڈروں نے حکومت کے ان فیصلوں کی زبردست مذمت کی ہے جو پچھلے دنوں مسلمانوں کے تعلق سے لیے گئے ہیں۔ شری کرشنا کمیشن کا خاتمہ ہو یا اردو اکیڈمی کو تحلیل کرنا۔ حج کمیٹی کو برخاست کرنا ہو یا اقلیتی کمیشن کو ختم کرنا۔ ان پارٹیوں نے شیوسینا حکومت کے ان فیصلوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ شیوسینا اس طرح مہاراشٹر میں شیوشاہی نہیں بلکہ ہٹلر شاہی قائم کرنا چاہتی ہے۔ شیواجی کے نام پر آمریت کی بنیاد ڈال رہی ہے اور اقلیتوں اور مسلمانوں کے معاملے میں انتہائی عصبیت سے کام لے رہی ہے۔ ان پارٹیوں نے اشارہ دیا ہے کہ اگر ان کی حکومت بنتی ہے تو یہ مہاراشٹر کو ہٹلر شاہی سے نکال کر جمہوری راہ پر ڈالیں گے۔

دلت ریلی سے خطاب کرتے ہوئے پرکاش امبیڈکر

یہ پارٹیاں صرف شیوسینا اور بی جے پی کی مخالف نہیں ہیں بلکہ کانگریس کی بھی مخالف ہیں۔ ایک دلت رہنما پروفیسر جوگیندر کواڑے کا کہنا ہے کہ نرسمہا راؤ آدھا انسان اور آدھا جانور ہیں اور جس ملک کا وزیر اعظم آدھا جانور ہو اس ملک کی کیا حالت ہوگی آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عوام میں بھی اس اتحاد پر زبردست جوش و خروش ہے۔ اس اتحاد سے دلتوں کی نئی قوت ابھر کر سامنے آئی ہے جس سے نہ صرف کانگریس بلکہ شیوسینا اور بی جے پی بھی پریشان ہیں۔ لیکن میڈیا نے اسے بھرپور انداز میں نہیں لیا۔ اگر یہ محاذ قائم رہتا ہے تو پورے ملک میں نہ سہی کم از کم مہاراشٹر میں ایک متبادل تیسری قوت ابھر کر سامنے آجائے گی۔ بہرحال مہاراشٹر کے دلت رہنماؤں نے قومی سطح پر لڑائی لڑنے کے لئے طبل جنگ بجادیا ہے۔ ●●

"میں سر کے بل بھی بغداد جانے کو تیار ہوں" حسین کامل

صدام کے دامادوں کے قتل پر روشنی ڈالنے والی کہانی جو ایک ٹیپ میں بندھے

۲۰ فروری کو جنرل حسین کامل اچانک عراق پہونچ گئے۔ یہ خبر اتنی ہی دھماکہ خیز تھی جتنی اگست ۱۹۹۵ء میں عراق سے ان کے فرار کی۔ تین روز بعد حسین کامل، ان کے دو بھائی اور والد کو عراق کے بقول ان کے اہل خاندان نے گولیوں سے بھون دیا۔ شاہ حسین نے غیر مصدقہ اطلاعات کی بنیاد پر کہا ہے کہ حسین کامل اور صدام حسان کے بچوں کو بھی قتل کردیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ حسین اور حسان دونوں صدام کے داماد تھے۔ قتل سے ایک روز قبل صدام کی بیٹیوں نے اپنے شوہروں کو طلاق دے دی تھی۔

یہ واقعات چند روز کے اندر اتنی تیزی سے رونما ہوئے کہ دنیا تعجب میں رہ گئی۔ کامل اطلاعات کے مطابق اردن ائرپورٹ کے قریب ایک ولا میں تقریباً نظر بندی کی زندگی بسر کررہے تھے۔ غالباً اس زندگی سے عاجز آکر انہوں نے عراق جانے کا فیصلہ کرلیا جہاں موت ان کی منتظر تھی۔

ایک اردنی صحافی نے حسین کامل کے آخری دنوں کے حالات اور اس کے خیالات پر روشنی ڈالی ہے۔ حسین کامل کی آخری آواز مصنف شفقر جوہری کے پاس ٹیپ ہے۔ یہ گفتگو حسین کامل اور جوہری کے درمیان اول الذکر کے قتل سے صرف چار روز قبل ہوئی تھی۔ ٹیپ کھولنے کے بعد کچھ دیر بعد یہ آواز سنائی دیتی ہے۔ "میں نے صدر۔ صدام حسین کو ایک خط لکھ کر وطن واپسی کی اجازت طلب کی ہے۔ میں ان کے جواب کا منتظر ہوں۔ مجھے امید ہے عید کے دن ان کا مثبت جواب مجھے مل جائے گا۔"

مذکورہ بات کے علاوہ حسین کامل عراق اور عراقی صدر کی تعریف میں قصیدے بھی پڑھ رہے ہیں۔ ان کی آواز سے کوئی بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ کافی خوش اور پرامید ہیں۔ شفقر جوہری سے ان کی یہ گفتگو عراق جانے سے صرف ۱۲ گھنٹے قبل ہوئی تھی۔

شفقر جوہری ایک اردنی اہل قلم ہیں۔ انہوں نے عراق کی سیاسی تاریخ پر دو کتابیں لکھی ہیں۔

حسین کامل جیسے اہم شخص سے ان کا تعلق ایک فطری بات ہے۔ اس گفتگو کے دوران ایک موقع پر وہ بڑے جذباتی انداز میں کہتے ہیں "میں صدر صدام کے لئے ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہوں۔ وہ میرے خسر ہونے سے قبل میرے چچا تھے۔ ہم ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔"

لیکن چند ہی روز بعد پتہ چلا کہ حسین کامل کی امیدیں اور اعتماد غلط بنیادوں پر قائم تھے۔ ۲۰ فروری کو عید کے روز وہ جیسے ہی عراق میں داخل ہوئے صدام کے بڑے بیٹے نے ان کا استقبال اس طرح کیا کہ اپنی دونوں بہنوں کو بہنوئیوں سے علیحدہ کرلیا۔ ۲۱ فروری کو عراق ریڈیو نے خبر نشر کی کہ صدام کی بیٹیوں نے اپنے شوہروں کو طلاق دے دی ہے۔ اور ۲۳ فروری کو خبر آئی کہ انہیں ہلاک کردیا گیا ہے۔

عراق جانے سے قبل شفقر جوہری اور حسین کامل کے درمیان کئی مرحلے میں مذاکرات ہوئے۔ ۱۸ فروری کو البلاد کے مضمون پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کافی ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ اسی دن انہوں نے ایک ایسی بات بھی کہی جس سے ان کی تبدیل شدہ ذہنی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ "بغداد چھوٹنے کا مجھے سخت احساس ہے۔ اگر میرے پاؤں مجھے وہاں لے جانے سے انکار کردیں تو میں اپنے سر کے بل وہاں جاؤں گا۔" اس کے بعد شفقر جوہری البلاد سے مصالحت کی پیشکش کرتے ہیں۔ دراصل اخبار کے مالک نائف الثورہ کو حسین کامل نے دھمکی دی تھی کہ "اگر میں تمہارے گھر آسکا تو تمہارے جسم کے ہزاروں ٹکڑے کردوں گا۔" جوہری نے جب اس دھمکی کا تذکرہ کیا تو کامل نے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا اور کہا کہ اس مضمون کی اشاعت سے ان کے عراق لوٹنے کے پلان کو کافی دھچکا لگا ہے۔ جوہری کے مصالحت کرانے کے بعد کامل نے اپنی دھمکی واپس لے لی اور البلاد نے مضمون کے من گھڑت ہونے کا اعتراف کرلیا۔ یہ ۱۸ فروری کو ہوا۔ اس کے بعد شفقر جوہری کی حسین کامل سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ اس دوران ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ سب ٹیپ پر موجود ہے جس سے کامل کی شخصیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ شفقر جوہری کی رائے ہے کہ "کامل کی شخصیت کی اہم خصوصیت اس کے اندر جذبے اور ذہانت کا غیر معمولی ملاپ تھا۔ اس کے جذبات کا اس کی ذہانت پر کافی برا اثر تھا اور اس طرح وہ عام عراقی کردار کی علامت تھا۔"

کامل کی صدام سے تعلقات بحال کرنے کی کوشش پر جوہری نے جب یہ تبصرہ کیا کہ کیا عراق سے اس کا غدارانہ فرار اور اس کے نیوکلیر پروگرام کے بارے میں اس کے انکشافات، سی آئی اے سے اس کی گفتگو ایسے کام نہیں ہیں جن کو صدام آسانی سے بھول جائیں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ ایسا ممکن ہے۔ کیونکہ وہ بھی اسی خاندان کے فرد ہیں۔ جب جوہری نے انہیں یاد دلایا کہ ان کی دغابازی سے عراقی کافی خفا ہیں اور صدام کے تئیں ان کی حمایت کافی زیادہ ہے تو کامل نے جواب دیا کہ "مجھے صدام حسین سے ہمدردی ہے۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ عراقی عوام کیوں اس "انداز سے محسوس کرتے ہیں۔"

جوہری کا کہنا ہے کہ اردن کو اب ان میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ ان کا خاندان چاہتا تھا کہ وہ عراق واپس چلے جائیں۔ ان سب باتوں کی وجہ سے وہ زبردست دباؤ میں تھے۔"

اور اس دباؤ کی کیفیت میں جب انہوں نے ایک فیصلہ کرنے کی کوشش کی تو جذبہ ان کی ذہانت پر غالب آگیا اور جو بالآخر ان کے عبرت ناک انجام کا سبب بنا۔ *

> حسین کامل کی امیدیں اور اعتماد غلط بنیادوں پر قائم تھے۔ ۲۰ فروری کو عید کے روز وہ جیسے ہی عراق میں داخل ہوئے صدام کے بڑے بیٹے نے ان کا استقبال اس طرح کیا کہ اپنی دونوں بہنوں کو بہنوئیوں سے علیحدہ کرلیا۔ ۲۱ فروری کو عراق ریڈیو نے خبر نشر کی کہ صدام کی بیٹیوں نے اپنے شوہروں کو طلاق دے دی ہے۔ اور ۲۳ فروری کو خبر آئی کہ انہیں ہلاک کردیا گیا

صدام حسین اپنی بیوی، بیٹیوں اور دامادوں کے ساتھ۔

لوئی فرح خان کے عرب ملکوں کے دورے سے امریکی ایوان میں زلزلہ

"میں امریکی پرچم کی عزت کرتا ہوں۔ میں امریکی پرچم کو کبھی نذر آتش نہیں کروں گا لیکن میں اس کے تئیں اپنی اطاعت کا "وعدہ" نہیں کرسکتا کیونکہ ہم صرف اور صرف خدا کے اطاعت گزار ہیں۔"

مذکورہ الفاظ امریکی سیاہ فام مسلمانوں کی تنظیم نیشن آف اسلام کے رہنما لوئی فرح خان نے شکاگو میں اپنے پیروؤں کے ایک بڑے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہے۔ یہ اجتماع اس جماعت کے بانی فرح محمد کے یوم پیدائش پر منعقد کیا گیا تھا۔ فرح خان نے حال ہی میں امریکہ کی سیاہ فام آبادی کے مسائل کو اجاگر کرنے کے لئے واشنگٹن میں ایک زبردست مظاہرہ کیا تھا جس میں پانچ لاکھ سے زائد لوگ شریک ہوئے تھے۔ اس مظاہرے یا مارچ کے بعد لوئی فرح خان نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دنیا میں موضوع گفتگو بن گئے تھے۔

لوئی فرح خان امریکہ کی ایک متنازعہ شخصیت ہیں۔ وہ امریکی حکومت، اسکی "نسل پرستی" اور سفید فام آبادی کی زیادتیوں کے خلاف زبردست آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ وہ سیاہ فام امریکیوں کو، بالخصوص مسلمانوں کو سیاسی طور سے منظم کرکے انہیں امریکی سماج میں ایک باعزت معاشی و سیاسی مقام دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اکثر سفید فام افراد اور امریکی حکومت ان کے ناقد ہیں کیونکہ ان کے بقول فرح خان غیر ذمہ دارانہ بیانات دیتے رہتے ہیں۔

چند روز ہوئے لوئی فرح خان ایشیا و افریقہ کے ۱۸ ممالک کا دورہ کرکے واپس ہوئے ہیں۔ جن میں لیبیا، عراق، ایران، نائجیریا اور سوڈان وغیرہ

فرح خان نے امریکی ایوان میں زلزلہ پیدا کردیا۔

شامل ہیں۔ واضح رہے کہ ان تمام ہی ممالک سے امریکہ کے تعلقات کشیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک امریکی افسر نے فرح خان پر الزام لگایا ہے کہ وہ آمروں سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ امریکی مجلس نمائندگان کے ایک رکن، جن کا تعلق نیویارک سے ہے اور جن کا نام پیٹر کنگ ہے، نے کہا ہے کہ وہ لوئی فرح خان کو کانگریس کے سامنے جواب دہی کے لئے طلب کریں گے۔

اس امریکی تنقید پر فرح خان کا ردعمل یہ ہے کہ ایک نہ ایک دن امریکی کانگریس سے تصادم ہونا ہی تھا سو آج ہی کیوں نہیں۔ فرح خان نے اس موقع پر امریکہ اور اس کی پالیسیوں کی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ان کا دورہ امن کی خاطر تھا۔ ایک طرف وہ امن کا پیغام عام کررہے تھے اور دوسری طرف امریکہ میں سیاہ فام آبادی کے مسائل کے حل کے لئے فنڈ جمع کررہے تھے۔ اس ضمن میں کرنل قذافی نے انہیں ایک ارب ڈالر دینے کی پیشکش کی ہے جو امریکہ کی سیاہ فام آبادی کی سیاسی و معاشی تنظیم نو کے لئے استعمال کئے جائیں گے۔ کرنل قذافی کا خیال ہے کہ امریکہ کے سیاہ فام منظم ہوکر نہ صرف امریکی سیاست میں بلکہ اس کی مغربی ایشیا کی پالیسی میں بھی اہم تبدیلی لاسکتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا واقعی کرنل قذافی اپنا وعدہ پورا کر دکھائیں گے۔ ممکن ہے وہ محض امریکی مخالفت کے جذبے سے معمور ہوکر اتنی بڑی رقم دینے کا وعدہ کرگئے ہوں اور بعد میں اس سے مکر جائیں۔

دراصل سیاہ فام آبادی میں فرح خان کی بڑھتی مقبولیت نے امریکی حکام کو ان کے خلاف کردیا ہے۔ امریکہ اپنے نقطہ نظر سے مخالفت آسانی سے نہ اندرون ملک برداشت کرتا ہے اور نہ بیرون ملک۔ اسی کے ساتھ امریکی حکومت سیاہ فاموں کے اندر بڑھتے ہوئے اسلامی انقلابی رجحانات سے بھی خائف ہے۔ * *

لندن اور اسلام آباد میں شہزادی ڈیانا کے دورے کے چرچے

بے نظیر کو سیاسی مات دینے کے لئے عمران خان کا ڈیانا میچ

۴۸ ہزار روپئے سے تیار کئے گئے آسمانی رنگ کے شلوار قمیص اور سفید دوپٹے میں ملبوس شہزادی ڈیانا کا عمران خان کی دعوت پر شوکت خانم میموریل کینسر اسپتال کا دورہ بظاہر سیاسی نہ ہوتے ہوئے بھی بہت زیادہ سیاسی تھا۔ ۴ سال قبل عمران خاں نے کرکٹ ورلڈ کپ میں پاکستان کو عالمی چمپین بنا کر اخبارات کی شہ سرخیوں میں تھے۔ اگرچہ رواں ورلڈ کپ میں پاکستانی ارباب اقتدار نے ہر ممکن کوشش سے عمران کو ایسی تقریبات سے دور رکھنے کی کوشش کی، جس سے ان کی موجودگی کا اہل پاکستان کو احساس ہوتا۔ سابق کپتان شہزادی ڈیانا کو خاموشی سے لاہور بلاکر عمران ایک بار پھر میڈیا کی توجہ کا مرکز بن گئے ہیں۔ شہزادی کا دورہ عمران کے اسپتال کے لئے فنڈ جمع کرنے کے لئے منظم کیا گیا تھا لیکن بظاہر اس غیر سیاسی دورے کے سیاسی مضمرات لندن اور اسلام آباد کے ہر سیاسی مبصر پر واضح ہیں۔

شہزادی کے دورہ لاہور کا پروگرام بڑی خاموشی سے بنایا گیا۔ وہ نامہ نگار اور فوٹو گرافر جو ہر وقت شہزادی کے ہر قدم اور ہر سرگرمی پر نظر رکھتے ہیں، وہ بھی اس دورے سے پوری طرح بے خبر تھے۔ بعض اخبار نویسوں کو اندازہ تھا کہ کچھ ہونے والا ہے لیکن ان کی یہ پیشین گوئی کہ شہزادی اپنے نئے پاکستانی عاشق ڈاکٹر حسنات سے ملنے پاکستان جارہی ہیں، بالکل غلط ثابت ہوئی۔ اس کے برعکس ہوا وہ جسکی کسی کو امید بھی نہ تھی۔ شہزادی عمران کے خسر گولڈ اسمتھ کے نجی جہاز سے لاہور پہونچیں جہاں عمران اپنی خوبصورت بیوی حائقہ خان کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ وہاں سے سیدھے عمران خان اپنی مرسڈیز میں انہیں اپنے اسپتال لے گئے جہاں دو دن رہ کر شہزادی نے مختلف پروگراموں میں شرکت کی اور لوگوں کے دل جیت لئے۔

شہزادی نے ایک خصوصی ڈنر میں شرکت کی جس میں ہر پلیٹ کی قیمت دس ہزار روپئے تھی۔ اس ڈنر میں ۶ سو لوگوں نے شرکت کی اور اس طرح اسپتال کے لئے ایک لاکھ ساٹھ ہزار ڈالر کے عطیات مل گئے۔ اس فنکشن کا آغاز جب تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا تو شہزادی ڈیانا نے اپنے سر پر دوپٹہ رکھ کر حاضرین کے دل جیت لئے۔ یہاں عمران کی دور اندیشی کی ہر کوئی داد دے گا۔ صرف اتنا ہی نہیں اس فنکشن کے دوران عمران نے صرف خواتین مہمانوں سے گزارش کی کہ وہ شہزادی سے آٹو گراف لے سکتی ہیں۔ شہزادی نے بھی کسی کو مایوس نہیں کیا اور کل ملاکر ۲۵ آٹو گراف دیئے۔ دو دن کے فنکشن میں صحافیوں کی زبردست بھیڑ تھی جس سے گذشتہ ورلڈ کپ کے ہیرو کو نظر انداز کرنے کی پاکستانی پالیسی پر پانی پھر گیا۔

ڈنر کی تقریب میں شہزادی ڈیانا نے کوئی تقریر نہیں کی لیکن پورے پروگرام میں وہ چاق و چوبند بیٹھی رہیں۔ عمران نے البتہ ایک دھوا دھار تقریر کی جس میں اسپتال کے مقاصد بتاتے ہوئے کہا کہ یہاں ۹۰ فیصد مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر عمران نے اپنے ناقدین کو بھی آڑے ہاتھوں لیا اور اخبار نویسوں سے اپیل کی کہ وہ اس خیراتی اسپتال کی تعمیر میں اپنا رول ادا کریں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا شہزادی کا یہ دورہ سیاسی نہ ہوتے ہوئے بھی سیاسی تھا۔ شہزادی ڈیانا نے جن کی برطانوی شاہی خاندان سے ایک مدت سے ٹھنی ہوئی ہے، اس دورے کا پروگرام خود بنایا اور بکنگھم پیلس کو اعتماد میں نہیں لیا۔ واضح رہے کہ ایسے سارے پروگرام شاہی خاندان کے افسران طے کرتے ہیں۔ لیکن شہزادی نے انہیں نظر انداز کر کے ملکہ برطانیہ پر یہ واضح کردیا ہے کہ وہ برطانیہ کی غیر سرکاری "سفیر" بننے کے ارادے پر اٹل ہیں۔ ملکہ برطانیہ اور برطانوی وزارت خارجہ کے بعض افسران شہزادی کے غیر سرکاری "برطانوی سفیر" بنائے جانے کے مخالف ہیں۔ لیکن وزیر اعظم جان میجر سمیت بہت سے سیاستداں اور افسران شہزادی کی شہرت اور خوبصورتی سے اپنے ملک کے لئے سفارتی و معاشی فوائد حاصل کرنے کے حق میں ہیں۔ خود شہزادی کے اس دورے کو بھی برطانیہ میں اچھے خاصے لوگوں نے شہزادی کی سیاسی دور اندیشی اور تدبر سے تعبیر کیا ہے۔ ظاہر ہے پاکستان کے ایک ایسے شخص سے شہزادی کے تعلقات جو کل ملک کا وزیر اعظم بھی ہوسکتا ہے، برطانیہ کے لئے مفید ہی ثابت ہوں گے۔

شہزادی کے دورے کا سب سے زیادہ فائدہ خود عمران کو پہونچا ہے۔ اگرچہ عمران نے اس دورے کو غیر سیاسی بنانے پر اصرار کیا ہے لیکن ہر کوئی جانتا ہے کہ اس سے ان کی سیاسی امیج کو کافی فائدہ پہونچا ہے۔ یہ دورہ زی (Zee) ٹی وی پر عمران کے اس انٹرویو کے کچھ ہی دنوں بعد وقوع پذیر ہوا جس میں انہوں نے اعتراف کیا تھا کہ وہ مناسب موقع پر سیاست میں داخل ہوسکتے ہیں۔ ان کے حامی اب پورے پاکستان میں کہتے پھریں گے کہ ان کا ہیرو کچھ بھی کر سکتا ہے۔

کینسر جیسے موذی مرض سے عمران کی ذہانت اور موقع کی مناسبت سے قدم اٹھانے کا ایک عالم کو اعتراف ہے۔ جب ان کی والدہ کا کینسر جیسے موذی مرض سے انتقال ہوا تو انہوں نے عہد کیا کہ وہ انکی یادگار میں لاہور میں ایک کینسر اسپتال بنائیں گے۔ گذشتہ سال آسٹریلیا میں ہوئے ورلڈ کپ میں وہ پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان تھے۔ خود ان کا کہنا تھا کہ وہ اس ٹورنامنٹ میں محض اس لئے شریک ہوئے کہ وہ اسے جیت کر اپنے اسپتال کے پروجیکٹ کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ کپ حاصل کرنے کے بعد انہوں نے جو تقریر کی اس میں کسی کھلاڑی ساتھی کا شکریہ تک ادا نہیں کیا اور سارا کریڈٹ خود لیتے ہوئے کہا کہ اپنی ماں کی یادگار میں کینسر اسپتال بنانے کا جذبہ ہی انہیں ٹورنامنٹ میں لایا تھا۔ عمران کی اس تقریر سے پاکستانی کھلاڑی کافی ناراض ہوئے تھے۔ لیکن عمران نے اس اہم موقع کو اپنے اسپتال کے لئے بڑی چالاکی اور خوبی سے استعمال کیا تھا اور اس کا انہیں فائدہ بھی پہونچا۔ اس وقت کے پاکستانی وزیر اعظم میاں نواز شریف نے ایک خطیر رقم کے علاوہ لاہور سے ذرا باہر اس مقصد کے لئے وافر زمین بھی فراہم کی جہاں آج اسپتال قائم ہے۔ اس کے ساتھ ملک و بیرون ملک کے امیر و غریب بے شمار پاکستانیوں نے اسپتال کی تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیا۔ جماعت اسلامی کی ایک ذیلی سماجی تنظیم نے فنڈ جمع کرنے کے لئے عوامی اجتماعات کیے جہاں عمران کی اسلامی اور کسی حد تک سیاسی تقریروں نے سامعین کے دل جیت لئے۔ یہیں سے عمران کی پریشانیوں کا آغاز بھی ہوا۔

ڈیانا جمیمہ اور عمران خان کے ساتھ۔ ایک طویل الدتی حکمت عملی۔

دریں اثناء پاکستان میں نئے انتخابات ہوئے اور بے نظیر وزیر اعظم ہو گئیں۔ وہ فطری طور پر عمران کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور بالخصوص جنرل حمید گل اور اسلامی عناصر سے ان کے تعلقات کی وجہ سے خائف نظر آنے لگیں۔ اپنے اجتماعات میں جب عمران تقریر کرتے تو ہزاروں نوجوان یہ نعرہ لگاتے کہ وہ ملک کے اگلے وزیر اعظم ہوں گے۔ ظاہر ہے یہ سب بے نظیر کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اور انہوں نے پہلا وار یہ کیا کہ پاکستان ٹیلی ویژن پر عمران کے فنڈ جمع کرنے کے اشتہارات پر پابندی لگادی۔

لیکن بے نظیر کے حامیوں نے اصل وار اس وقت کیا جب گزشتہ سال عمران نے جمیمہ گولڈ اسمتھ یا حائقہ خان سے شادی کرلی۔ عمران کے مخالفین اسے ان کی سیاسی موت سے تعبیر کرنے لگے۔ بلاشبہ اس سے عمران کے بعض حامیوں کو بھی مایوسی ہوئی۔ انہیں فنڈ جمع کرنے میں بھی دشواری پیش آنے لگی۔ لیکن پاکستانی سیاستدانوں کے کرپشن نے ایک بار پھر ان کی سیاسی امیج کو اجاگر کرنا شروع کردیا۔ اور Zee ٹی وی پر وسیع پیمانے پر دیکھے گئے ان کے سیاسی انٹرویو کے بعد شہزادی ڈیانا کے دورے نے ان کی شخصیت کو ایک بار پھر پاکستانی سیاست کے منظر نامے پر طویل قامت بنادیا ہے۔

بے نظیر ہوں یا میاں نواز شریف، دونوں ہی گردن تک کرپشن میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ رہیں مذہبی جماعتیں تو ان کے آپسی اختلافات نے ان کی اپیل کو محدود بنادیا ہے۔ جنرل حمید گل کی نئی اسلامی انقلابی پارٹی بھی کسی حد تک مقبول ہوسکتی ہے۔ لیکن ان کی شخصیت میں وہ کرشمہ نہیں ہے۔ جو عمران کو حاصل ہے۔ اپنے کرپٹ سیاستدانوں سے مایوس پاکستانی عوام اب تک صاف ستھری امیج والے اور مغرب کو ترک کر کے اسلام کی تبلیغ کرنے والے عمران کو ملک کا وزیر اعظم بنادیں تو اس پر کم ہی مبصرین کو تعجب ہوگا۔ بے نظیر کی مخالفت، بعض مبصرین کے خیال میں، عمران ہی کے حق میں جارہی ہے۔ ان مبصرین کے خیال میں بے نظیر وہی غلطی کر رہی ہیں جو انہوں نے اپنے پہلے دور حکومت میں نواز شریف کے تعلق سے کی تھی۔ ان کی مخالفت اور معاندانہ کارروائیوں سے عمران کی سیاسی اہمیت عوام کی نگاہوں میں بڑھ رہی ہے جس کا عمران جیسا ذہین شخص مناسب موقع پر فائدہ اٹھانے سے باز نہیں رہے گا۔

* *

بے نظیر ہوں یا میاں نواز شریف، دونوں ہی گردن تک کرپشن میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ رہیں مذہبی جماعتیں تو ان کے آپسی اختلافات نے ان کی اپیل کو محدود بنادیا ہے۔ جنرل حمید گل کی نئی اسلامی انقلابی پارٹی بھی کسی حد تک مقبول ہوسکتی ہے۔ لیکن ان کی شخصیت میں وہ کرشمہ نہیں ہے۔ جو عمران کو حاصل ہے

وزیر اعظم جان میجر سمیت بہت سے سیاستداں اور افسران شہزادی کی شہرت اور خوبصورتی سے اپنے ملک کے لئے سفارتی و معاشی فوائد حاصل کرنے کے حق میں ہیں۔ خود شہزادی کے اس دورے کو بھی برطانیہ میں اچھے خاصے لوگوں نے شہزادی کی سیاسی دور اندیشی اور تدبر سے تعبیر کیا ہے۔ ظاہر ہے پاکستان کے ایک ایسے شخص سے شہزادی کے تعلقات جو کل ملک کا وزیر اعظم بھی ہوسکتا ہے، برطانیہ کے لئے مفید ہی ثابت ہوں گے۔

”خلافت کے سقوط پر ابلیس کے ہیڈکوارٹر میں ہم نے خوب جشن منایا تھا“

مگر — ایک بار پھر اسلامی بیداری کے خوف سے ابلیسی نظام کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے

ابلیس کے باغی رفیق کا انٹرویو —— بارھویں قسط

باتوں باتوں میں رات خاصی گزر گئی۔ گھڑی پر نظر ڈالی تو رات کے تین بج چکے تھے۔ گو کہ جاروجا کی دلچسپ گفتگو میں میرے لئے خاصی کشش تھی اور میرے پاس سوالات بھی بہت تھے لیکن یہ سوچ کر کہ ساری باتیں نہ تو ایک نشست میں ممکن ہیں اور نہ ہی مناسب۔ پھر میزبانی کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مہمان کو آرام کے لئے کچھ وقت دیا جائے۔ یہ سوچ کر میں نے اپنے محترم مہمان کو آرام کا مشورہ دیا اور خود گھر کے اندرونی حصے میں چلا گیا۔ کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ فجری اذان سے ہماری آنکھیں کھل گئیں لیکن مجھے یہ دیکھ کر سخت ملال ہوا کہ مہمان خانے میں ہمارے مہمان کا دور دور تک کہیں پتہ نہ تھا۔ سخت افسوس ہوا کہ کیوں نہ سارے سوالات ایک ہی نشست میں پوچھ لئے۔

صبح ناشتے کے بعد جب میں نے اپنی بیوی سے مہمان کی اصل حقیقت بتائی تو اس کی گویا چیخ ہی نکل گئی۔ کہنے لگی اب آئندہ ان چکروں میں نہ پڑیئے۔ پتہ نہیں کون تھا کیا تھا۔ ہر کسی کو اس طرح اپنے گھر تو نہیں لے آتے۔ لیکن میرے لئے یہ سب کچھ ایک افسانہ اور خواب کی شکل اختیار کر گئے۔ کئی دن گزر گئے لیکن میرے ذہن سے جن کی ملاقات کا منظر اور اس کی گفتگو محو نہ ہو سکی۔ پھر یہ خیال بھی بار بار آتا کہ نہ جانے وہ کون سے امور تھے جن کا افشاء کرنا دنیائے ابلیس کے لئے بھی خطرے کا باعث ہو سکتا تھا۔ افسوس کہ میں نے خواہ مخواہ غیر ضروری سوالات میں اپنا وقت ضائع کیا۔ اسی ادھیڑ بن میں لم ایک دن میں اسی مسجد میں اپنی مخصوص جگہ بیٹھا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ وہی شخص مصری لباس میں ملبوس سر پر سرخ فض پہنے ایک مقامی شخص کے ساتھ میری طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اپنے پرانے مہمان کو پہچان کر میں گرمجوشی سے اس کی طرف بڑھا اور اچانک اس کی گمشدگی پر شکایت کرتا رہا۔ کہنے لگا بات یہ ہے کہ تمہارے گھر میں مجھے ذرہ برابر بھی نیند نہ آئی۔ قرآنی آیات اور طغروں کو جابہ جا آویزاں دیکھنے کی وجہ سے مجھے رہ رہ کر ہول سا آتا تھا۔ تھوڑی دیر میں مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں ایک نامعلوم خوف میں مبتلا ہو گیا ہوں بھلا ایسی صورت میں رات کا آخری حصہ گزارنا میرے لئے کیونکر ممکن تھا۔ میں نے اس وقت تمہیں جگانا مناسب نہ سمجھا اور اس لئے بغیر بتائے ہی ایک ایسے ویرانے کی راہ لی جہاں سکون کے کچھ لمحات حاصل ہو سکیں۔ اس ویرانے کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے۔ البتہ وہاں میری ایک ایسے عابد سے ملاقات ہو گئی جو اپنی ریاضت سے دنیا کے اسرار و رموز کا پتہ لگانے کے لئے بے چین تھا۔ یہ کہہ کر جاروجا نے اپنے اس ساتھی کی طرف اشارہ کیا جو اب تک مسجد کی دوسری طرف ایک گوشے میں بیٹھ چکا تھا غالباً اس نے یہ مناسب نہیں سمجھا تھا کہ دو لوگوں کی گفتگو میں خواہ مخواہ مخل ہو۔ جاروجا کہنے لگا دیکھو یہی وہ شخص ہے جس سے میری ملاقات شمالی قلعہ کی بوسیدہ عمارتوں میں ہوئی تھی۔ جب سے اب تک وہ ہمارا رفیق ہے۔ گو کہ اب تک میں نے اسے اپنی اصلیت سے آگاہ نہیں کیا ہے۔ البتہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس شب بیدار کو ہمارے غیر معمولی شخصیت ہونے اور کسی اور دنیا کے بارے میں باخبر ہونے کا پتہ چل گیا ہے۔ ورنہ وہ اس طرح مجھ پر التفات کیوں برتتا۔ اس سے قبل کہ ہماری گفتگو کسی اور سمت مڑتی اور میں اپنے سوالات بھول جاتا جس پر میں پچھلے تین دنوں سے مسلسل غور کر رہا تھا۔ میں نے سوچا کیوں نہ پہلی فرصت میں اس سے اپنے مطلب کی بات پوچھ لی جائے۔ مبادا کہ یہ پھر غائب ہو جائے اور میں ہاتھ ملتا رہ جاؤں۔

جاروجا اگر برا نہ مانو تو میں تم سے کچھ ایسی باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جس نے مجھے پچھلے تین دنوں سے سخت الجھن میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کہنے لگا کیوں نہیں۔ ہم نے تو اپنے مہربان میزبان کو ہر طرح مطمئن کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ میں نے پوچھا کہ آخر وہ بات کیا تھی جس نے تمہیں ابلیس کے ہیڈ کوارٹر سے فرار پر مجبور کیا اور تمہیں اپنے صدیوں کے رفیق کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس نے ایک سرد آہ بھری کہنے لگا یہ ایک بڑی لمبی کہانی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ بات تو تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ ابلیس عام جنوں سے مختلف اللہ کا باغی ہے اور اسے تاقیامت مہلت عمل دی گئی ہے۔ اس کا مشن اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ اپنی راہ پر انسان اور جنوں کے کارواں کو ڈال دے اور پوری دنیا کو ایک ایسے راستے پر گامزن کر دے۔ جو سیدھا جہنم کی طرف جاتا ہو۔ اپنے اس خبیث مقصد میں آقائے ابلیس نے اپنی ساری ذہانت اور صلاحیت صرف کر رکھی ہے۔ وہ شب و روز انتہائی منصوبہ بند طریقے سے پوری دنیا کو جہنم کی راہ پر لگانے میں مصروف ہے۔ اور اس کام کے لئے وہ چاہتا ہے کہ دنیا کی باگ ڈور اس کے ہاتھوں میں رہے اور ہر سطح پر باطل کی برتری قائم ہو جائے۔ چونکہ اس عمل میں صدیوں کی پلاننگ شامل ہے اس لئے اپنے اس مقصد میں اسے خاطر خواہ کامیابی ملی ہے مجھے یاد ہے کہ اہل ایمان کی دنیا میں باطل کی اسٹریجک فتح پر خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی ابلیس کے ہیڈ کوارٹر میں کس طرح جشن منایا جاتا تھا۔ لیکن ان سات صدیوں میں جو سب سے بڑی خوشی منائی گئی وہ اس وقت تھی جب مصطفی کمال نے ۱۹۲۳ میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا اعلان کیا تھا۔ اس موقع پر تقریب جشن میں تقریر کرتے ہوئے آقائے ابلیس نے کہا تھا کہ ہماری صدیوں کی محنت رنگ لائی ہے اور ہم آج آخری رسول کی امت کے شیرازہ کو منتشر کرنے میں کچھ اس طرح کامیاب ہوئے ہیں جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس وقت میں سیاسی کمیٹی کا ایک اہم رکن تھا اور مجھے معلوم ہے کہ جنگ عظیم اول کی ابتدا سے لے کر سقوط خلافت کے اعلان تک ہمیں کتنی سخت محنت کرنا پڑی تھی۔ راتیں بحث و مباحثے میں گزرتیں اور دن کاموں کی ایک طویل فہرست میں کھو جاتے۔ سفارتکاری عروج پر تھی۔ کبھی ہمیں روسیوں کو مدد پہنچانا پڑتی تو کبھی فرنگیوں کو ورغلانا پڑتا۔ ادھر انقرہ اور استنبول میں بھی ہمارے ایجنٹ شب و روز مشغول تھے۔ کہیں بالواسطہ اور کہیں بلا واسطہ ہماری سرگرمیاں انتہائی تیز ہو گئی تھیں۔ بہرحال نتیجہ ہمارے حق میں نکلا۔ اس وقت میں بھی فتح کے نشے میں کچھ ایسا سرشار تھا کہ ان امور کی طرف ہماری توجہ نہیں گئی جہاں سے ایک بار پھر اسلامی قوت کی نمو کا اندیشہ ہو سکتا تھا

لیکن یہ تو ایک پرانا واقعہ ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زیر زمین ہماری سرگرمیاں جنگ عظیم اول کے بعد اگر اچانک تیز ہوئی ہیں تو وہ گزشتہ چند سالوں کے دوران۔ جہاں ایک بار پھر اسلامی بیداری کے خوف سے ہمارے عالمی ابلیسی نظام کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے حیرت ہوتی کہ اس دفعہ آقائے ابلیس نے بلاواسطہ جنگ کے بجائے بعض ایسے فیصلے کئے جو ہم جیسوں کے لحاظ سے جن کے قلب صدیوں کے کالے کرتوت کی وجہ سے سیاہ ہو چکے ہیں، وحشیانہ تھے۔ پھر میرا تو یہ بھی احساس رہا ہے کہ محض قوت کے بل پر کسی چیز کو کچل دینا مخالف عمل کا باعث ہوتا ہے جسے ثبات حاصل نہیں ہو سکتا۔ بہرحال آخری فیصلہ تو ہمیشہ آقائے ابلیس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ البتہ مجھے اس وقت انتہائی ذلت کا احساس ہوا جب میری طویل خدمات کے باوجود ہیڈ کوارٹر میں مجھ پر شک و شبہے کی نظر پڑنے لگی۔ پھر مجھے ان یہودی ایجنٹوں کی فراست پر بھی کچھ زیادہ اعتماد نہ تھا جنہوں نے بظاہر تو دنیا کے ذرائع ابلاغ کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے اور بڑی حد تک ہمارے کام کو آسان بنائے رکھنے میں معاون ہیں لیکن بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ اطلاعات پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور دنیا کو ہم پوری طرح اپنے انداز سے دکھانے میں ناکام رہے۔ لیکن ابلیس کا معتمد خاص اور ذرائع ابلاغ کا انچارج اپنی فتح کی داستان بیان کر کے نہیں تھکتا کہ اس نے اپنے مخالفین کو بھی مسخر کر لیا ہے اور ان گھروں میں بھی نقب لگانے میں کامیاب ہو گیا ہے جہاں سے کل تک صرف لاحول ولا قوۃ کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔

معاف کرنا میں سمجھا نہیں۔ جاروجا کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے میں نے کہا۔ ذرائع ابلاغ کے تمہارے کنٹرول سے کیا مراد ہے۔ جاروجا مسکرایا۔ کہنے لگا۔ سیدھی سی بات ہے۔ اس بات کا تم بھی تو اقرار کرتے ہو کہ ذرائع ابلاغ کی دنیا بڑی حد تک آج ہمارے یہودی ایجنٹوں کی مٹھی میں ہے۔ تم وہی کچھ دیکھتے ہو جو وہ دکھاتے ہیں۔ پھر اس حقیقت سے بھی تمہیں شاید انکار نہ ہو کہ ٹیلیویژن کے ڈبوں کے ذریعہ ہم نے اللہ والوں کے گھر میں بھی فحاشی اور بے حیائی کی کھڑکیاں کھول دی ہیں۔ اب اس مرض سے شاید ہی کوئی بچا ہو۔ خبروں اور معلومات کے نام پر ہم نے ان کی عقلوں کو اس طرح مسحور کر دیا ہے کہ وہ شیطانی تہذیب کے مظاہر دیکھنے اور اس کا اثر قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ شروع میں تو اس کی مخالفت کی کوشش ہوئی لیکن رفتہ رفتہ اقدار ایسے بدلے اور نظریات اس قدر گڈمڈ ہو گئے کہ اب ان گھروں میں بھی جن کے دلوں میں اسلام کو غالب دیکھنے کی چنگاری موجود ہے ہماری ثقافت کی یلغار ہر لمحہ جاری ہے اور یہ سب کچھ رفتہ رفتہ قابل قبول قدر کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اب اس پر نہ تو نمازیوں کو غصہ آتا ہے اور نہ اہل تقوی کی جبیں شکن آلود ہوتی ہے۔ کیا تم اسے ہماری کامیابی نہیں سمجھتے۔

تو کیا ہیڈ کوارٹر میں ذرائع ابلاغ کا ذمہ دار جسے تمہارے مقابلے میں ابلیس کا زیادہ اعتماد حاصل ہو گیا ہے کوئی بہت پرانا ساتھی ہے؟ کہنے لگا نہیں! ہرگز نہیں۔ بلکہ مرکزی مجلس شوری میں اس کی رکنیت کو تو ابھی نصف صدی بھی نہیں گزری ہے۔ لیکن آقائے ابلیس کا سمجھنا ہے کہ اس کی کامیابی ہم لوگوں کی طویل خدمات کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ اور ابلیس نہ صرف یہ کہ اس کی غیر معمولی ذہانت سے مرعوب ہے بلکہ مستقبل کے لائق ترین رفیقوں میں اس کا شمار کرتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ میری رائے کے مقابلے میں اس کی باتوں کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ ظاہر ہے میرے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ پھر اسی اثناء میں متواتر کچھ ایسے واقعات ہوئے جن سے مجھے احساس ہونے لگا کہ شاید میری جان یہاں محفوظ نہیں فرار کا فیصلہ ناگزیر تھا۔ (جاری ہے)

> ان سات صدیوں میں جو سب سے بڑی خوشی منائی گئی وہ اس وقت تھی جب مصطفی کمال نے ۱۹۲۳ میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا اعلان کیا تھا۔ اس موقع پر تقریب جشن میں تقریر کرتے ہوئے آقائے ابلیس نے کہا تھا کہ ہماری صدیوں کی محنت رنگ لائی ہے اور ہم آج آخری رسول کی امت کے شیرازہ کو منتشر کرنے میں کچھ اس طرح کامیاب ہوئے ہیں جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اسلام اور فدائین اسلام کے خلاف سید شہاب الدین کی ہرزہ سرائی

اسلامی نظام کا مذاق اڑا کر وہ خدا اور اس کے رسول کے باغیوں میں شامل ہو گئے ہیں

روزنامہ "پائنیر" میں شائع ہونے والے تکلیف دہ مضمون پر ایک تبصرہ

ہندوستان میں بے چارہ مسلم سیاست داں کتنا بے بس ہے اس کا اندازہ صرف اس وقت نہیں ہوتا جب خوں آشام مسلم فسادات پر اسکی زبانیں بند ہوں یا بابری مسجد کے انہدام کے عین ہیجان انگیز لمحے میں وہ اپنے اندر آزادانہ احتجاج کا کس بل نہ پاتا ہو یا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بنائی جانے والی ہر ریاستی پالیسی پر وہ محض خاموش تماشائی بنا رہتا ہو بلکہ اس کا بدترین اظہار آئے دن یوں ہوتا رہتا ہے کہ مختلف سیاسی پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے بیشتر مسلم رہنما کو لحہ بہ لحہ موجودہ سیکولر نظام سے اپنی وفاداری کو ثابت کرنا لازم ہوتا ہے۔ سیکولر نظام سے وفاداری کبھی ان سیاستدانوں کو مشرکانہ رسوم میں شرکت پر آمادہ کرتی ہے تو کبھی یہ انہیں کفار و مشرکین کے مرگھٹوں پر گل پاشی پر مجبور کرتی ہے تو کبھی انہیں بار بار اپنے سیکولر ہونے کے ثبوت کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرنی پڑتی ہے۔ گویا اس سیکولر نظام میں اپنے سیاسی بقا کے لئے ان نام نہاد مسلم رہنماؤں کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف تحقیر و تذلیل کا رویہ اختیار کریں اور اپنے آپ کو اس دقیانوسی اسلام سے الگ تھلگ اور غیر متعلق ثابت کرنے پر اپنی قوت صرف کردیں۔ کچھ اسی قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں ان دنوں کشن گنج پارلیمانی حلقہ سے منتخب ہو کر آنے والے ایم پی سید شہاب الدین۔

گو کہ سید شہاب الدین کو بابری مسجد کی ہیجان انگیز تحریک چلانے اور ماضی میں اس کی کسی حد تک قیادت کا شرف حاصل ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے درمیان ان کی جو بھی تھوڑی بہت وقعت ہے وہ اسی مسجد کے حوالے سے ہے۔ لیکن یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اسلام اور مسجد کے حوالے سے پارلیمنٹ میں اپنی نشست بنائے رکھنے والے سید شہاب الدین کو اسلام اور اسلامی نظام سے خدا واسطے کا بیر ہے وہ علی الاعلان سیکولرزم اور ڈیموکریسی کو اپنا نجات دہندہ گرداتے ہیں اور اسلام اور اسلامی نظام پر تمسخرانہ حملے لکھتے ہیں۔ گذشتہ دنوں دقیانوسی مسلمانوں کے خلاف ان کے جہاد میں شدت آگئی ہے اس کی ایک وجہ تو شاید یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر طرح سیاسی پارٹیوں کے لئے قابل قبول بنانا چاہتے ہیں اور اس بات کی بھرپور کوشش کررہے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح بڑی سیاسی پارٹیوں کے دروازے ان کے اوپر کھل جائیں لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان کی مسلسل کوششوں کے باوجود اب تک کانگریس، بی جے پی یا جنتادل میں سے کسی بھی سیاسی پارٹی نے ان کا نوٹس نہیں لیا ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں انہیں مزید یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ ایک روشن خیال مسلمان ہیں۔ یہ کتاب و سنت کی بنیاد پر اسلامی معاشرے کے قیام کے خیال سے اتفاق نہیں کرتے۔ بلکہ ان کا ایمان سیکولر جمہوری اقدار کی بحالی پر ہے اور وہ اس عمل میں انسانوں کی فلاح سمجھتے ہیں۔ گذشتہ دنوں انہوں نے ملی پارلیامنٹ کے خلاف بہتان طرازی کرکے بھی مسلمانوں کو اچانک حیرت میں ڈال دیا تھا اور بہت مسلمان یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ایک مسلم سیاستداں آخر اسلامی نظریات کے احیا کے لئے کام کرنے والی تحریک کے خلاف کیونکر محاذ بنا سکتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ بے بس مسلم سیاستداں کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ یہ ایک حقیر کوشش تھی اپنے آپ کو روشن خیال، غیر دقیانوسی اور سیکولر مسلمان ثابت کرنے کی۔ اب اسی مہم کی اگلی قسط کے طور پر سید شہاب الدین نے دہلی سے شائع ہونے والے معروف روزنامہ "پائنیر" میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں اسلام اور اسلامی نظام حکومت کا کھل کر مذاق اڑایا ہے۔ اعتراضات کچھ نئے نہیں ہیں بلکہ اس میں وہی کچھ اعتراض ہے جو مستشرقین برسہا برس سے کرتے رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ اسلامی نظام حکومت میں غیر مسلموں کو ذمی سمجھا جاتا ہے ان سے جزیہ لیا جاتا ہے اور اس طرح گویا انہیں دوسرے درجے کا شہری بنادیا جاتا ہے۔ بقول سید شہاب الدین "ایک غیر مسلم کو نہ صرف یہ کہ ریاست کا سربراہ بننے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ وہ مجلس شوری کا رکن بھی نہیں بن سکتا، نہ ہی فوج کا سربراہ ہو سکتا ہے، عدالت عالیہ کی قیادت اسے نصیب ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی با اختیار منصب دیا جاسکتا ہے۔" سید شہاب الدین کو اعتراض ہے کہ کیا اس قسم کی یکساں صورتحال مسلمانوں کو غیر مسلم اکثریت والے ملکوں میں قابل قبول ہو سکتی ہے اگر نہیں تو لینے اور دینے کے باٹ الگ الگ کیوں ہیں۔

اسلامی نظام حکومت کے مقابلے میں شہاب الدین کے نزدیک موجودہ سیکولر ڈیموکریسی زیادہ قابل قبول ہے۔ وہ لکھتے ہیں "یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ہم سیکولرزم کے دور میں جی رہے ہیں جہاں ریاست کی قوت مذہب کی خدمت نہیں کرتی اور نہ ہی مذہب ریاست کے تابع ہوتا ہے اور جہاں ریاست مذہب کے دائرے میں مداخلت نہیں کرتی۔" اب مصنف کو یہ کون بتائے کہ اسلام کے نقطہ نظر سے ایک سیکولر عہد میں جینا ہمارے لئے خوش قسمتی نہیں بلکہ انتہائی بد بختی کی بات ہے۔ خاص طور پر ایک ایسے سیکولر عہد میں جس کی برکتوں کا ظہور بابری مسجد کے انہدام کی شکل میں سامنے آتا ہو یہ خوش بختی اور خوشیاں شہاب الدین صاحب ہی کو مبارک ہوں اور اس عہد میں جینے کا مزا اللہ ان تک ہی محفوظ رکھے۔ البتہ مذہب کا دائرہ کار متعین کرنے کا حق انہیں نہیں دیا جاسکتا کہ اسلام کے مطابق پوری کی پوری زندگی اسلام کے دائرہ کار میں آتی ہے اور قرآن کا مطالبہ ہے کہ "ادخلوا فی السلم کافہ" یعنی دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، زندگی کا کوئی بھی گوشہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے خالی نہ رہے۔ اب اگر کوئی شخص اس واضح ہدایت کے باوجود خدا کی کتاب اور رسول کی سنت کی موجودگی کے باوجود سیکولر نظریات میں علی الاعلان ایمان کا اعلان کرتا ہو تو وہ صریح کفر کا ارتکاب کرتا ہے، کجا کہ اپنے سیکولر ہونے پر خود کو خوش قسمت بھی باور کرتا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑانے کی ریت اس ملک میں نئی نہیں ہے۔ عبدالکریم چھاگلہ اور حمید دلوائی سے لیکر الٹے سیدھے ناموں کی ایک طویل فہرست ہے جو وقتاً فوقتاً اپنے آپ کو روشن خیال ثابت کرنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کا اعلان کرتے رہے ہیں۔ شہاب الدین کو سوچنا چاہیے کہ اسلام کے خلاف ان حضرات کی ہرزہ سرائیوں نے انہیں آخر دیا کیا؟ اس طرح انہیں چند دنوں کے لئے نظام کفر کی توجہ تو حاصل ہو گئی لیکن محض دنیا کی چند روزہ چمک دمک نے ان سے خدا اور رسول کی نعمت کا سرمایہ چھین لیا۔ دقیانوسی مسلمانوں کا مذاق اڑا کر یا اسلامی نظام کو سیکولر ڈیموکریسی کے مقابلے میں کمتر بتا کر وہ کسی اور کا نہیں اپنا نقصان کررہے ہیں کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔

البتہ اپنے اس مضمون میں کہیں کہیں مصنف نے مسلم تحریکوں کے ساتھ ہمدردی جتانے کی بھی کوشش کی ہے البتہ شرط یہ لگائی ہے کہ اسلامی نظام سیاست قائم کرنے والی تحریکیں مسلم اکثریتی ریاستوں میں کام کررہی ہوں اور اپنے ہدف کے حصول کے لئے انہوں نے جمہوری اور پر امن طریقہ اختیار کیا ہو۔ پھر اس مضمون کے آخر میں وہ امت کو یہ مشورہ بھی دیتے ہیں کہ احیائے اسلام کی تحریک کو مسلم اکثریت والے علاقوں تک محدود رکھا جائے اور یہ کہ امت کو چاہئے کہ وہ مسلم اکثریت کی ریاستوں میں کم از کم کسی ایک جگہ ایک نمونے کا معاشرہ بنائے جس کی بنیاد جمہوریت اور رواداری پر ہو۔ اب کوئی مصنف سے یہ پوچھے کہ جمہوری اقدار پر اسلامی معاشرے کی تشکیل کا کام اللہ اور اس کے رسول کے ذریعہ عائد کردہ ذمہ داری ہے یا یہ محض آپ کے دماغ کی اپج ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ شہاب الدین اور اس قبیل کے مسلم سیاستداں ایک ایسے احساس تذبذب سے دوچار ہیں جس میں وہ ابھی تک خود اپنی کوئی شناخت قائم کرنے میں خاصے کنفیوزڈ ہیں۔ کبھی تو وہ خود کو مسلمان بتا کر مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے سیاسی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور کبھی اچانک اسلامی نظریات پر جارحانہ حملے کے ذریعہ اپنی سیکولر شناخت کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ اس پورے عمل میں انہیں اس بات کا ہوش نہیں رہتا کہ اسلام اور اسلامی نظام کے خلاف ہرزہ سرائی کرکے وہ خود کو خدا کے باغیوں میں شامل کرلیتے ہیں۔ اے کاش کہ انہیں دنیا کی چند روزہ زندگی آخرت میں دائمی شرمساری پر مجبور نہ کردے۔ ●

> یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ اسلام اور مسجد کے حوالے سے پارلیمنٹ میں اپنی نشست بنائے رکھنے والے سید شہاب الدین کو اسلام اور اسلامی نظام سے خدا واسطے کا بیر ہے وہ علی الاعلان سیکولرزم اور ڈیموکریسی کو اپنا نجات دہندہ گرداتے ہیں اور اسلام اور اسلامی نظام پر تمسخرانہ حملے لکھتے ہیں

> اسلامی نظام حکومت کے مقابلے میں شہاب الدین کے نزدیک موجودہ سیکولر ڈیموکریسی زیادہ قابل قبول ہے۔ اب مصنف کو یہ کون بتائے کہ اسلام کے نقطہ نظر سے ایک سیکولر عہد میں جینا ہمارے لئے خوش قسمتی نہیں بلکہ انتہائی بد بختی کی بات ہے۔ خاص طور پر ایک ایسے سیکولر عہد میں جس کی برکتوں کا ظہور بابری مسجد کے انہدام کی شکل میں سامنے آتا ہو یہ خوش بختی اور خوشیاں شہاب الدین صاحب ہی کو مبارک ہوں۔

10 THE PIONEER — OPINION — TUESDAY FEBRUARY 27, 1996

Islamic fanaticism and the modern age

SYED SHAHABUDDIN
Writer and Parliamentarian

With the Islamic phenomenon, call it by any name, Muslim revivalism, Muslim fundamentalism, militant Islam or Muslim fanaticism, the self-appointed guardians of Islam at the turn of the century have made their way to the centre-stage. Islamic activists are operating at various levels, national and international and even in Muslim minority states. They have adopted various techniques: Polemics, rhetoric, political activity and even terrorism. They use many platforms: Social, religious, political and academic.

Islamic activists demand the foundation of the State on the basis of the Shariat ie the Holy Quran and the traditions of the Holy Prophet; the unification of the Muslim states from the Atlantic to the Pacific, the re-establishment of the Islamic Khilafat to cover the entire world. They look upon the 21st century as the century of Islam. This rings a sympathetic chord in many a Muslim heart, torn between the romantic view of Islamic glory of the past and the present decay and degradation—Islam is not only a religion but a political ideology, not a quest of piety but a pursuit of power.

One can appreciate Muslim aspiration for a Islamic polity in a Muslim majority state, so long as the methods adopted by its proponents are democratic and peaceful. But this creates for a Muslim, who looks upon himself as a citizen of the world, a dilemma because of obvious adoption of double standards.

Significantly, no Muslim ideologue has yet granted the right to equality to the non-Muslim citizens in an Islamic State, particularly the right to participate in policy making or even in decision making. The non-Muslims can at best be an honourable 'trust' (Zimma) of the Islamic State, enjoying freedom to profess their religion and running their religious institutions, including those related to the administration of the family code, to claim exemption from military service on payment of *jiziya* and in other matters, political, economic and social, keeping a low profile, generally behaving themselves, accepting the superiority and dominance of those who profess Islam and thus reducing themselves to the status of second class citizens. A non-Muslim is barred not only from becoming the head of the State or the Government, but even from the membership of the *Majlis-e-Shorra*, from the command of the armed forces, from high judiciary, from positions of authority. The question is whether the same disabilities and limitations are acceptable to Muslims in non-Muslim majority States.

Another era

Fortunately, we are living in the age of secularism and in practice state power is being disengaged from the service of religion and vice versa. The state does not operate in the religious domain. On the other hand, thanks to the hollowness of human existence in the industrial age, religion is staging a come back but it does not seek state support or assistance and does not identify itself with the state or vice versa. Thus on one hand, human society has moved a long way from the classical concept of secularism, but the state does not align itself with any particular religion—professed by the majority or any of the minorities. Religion no longer depends on state recognition.

Muslim fanatics denounce both democracy and secularism because it would be illogical for them to espouse one and denigrate the other. They wish to impose Islam as they understand and define it, in both Muslim majority and Muslim minority states and eventually combine them to transform the world order into the Khilafat. They do not spell out how they propose to achieve their goal: Whether they shall subjugate the non-Muslims states, or liquidate or convert by force the non-Muslims in such states. The problem for them lies in that the medieval concept of Dar-ul-Islam was based on the factor of power and not on the relative number of various religious (or linguistic or racial) groups which inhabited a part of the earth. Human spirit shall no longer tolerate subjugation or slavery.

Muslim fanatics will tell you that the Islamic model will serve mankind as a whole; that it shall treat the non-Muslim generously and equitably and that all that they ask for is that non-Muslim states should treat the Muslim minorities equally well. Thus they would be quite willing to accept reciprocity in the matter of religious minorities. Quite apart from the fact that these self-appointed guardians of Islam have not consulted the Muslim minorities, logically a Hindu or a Christian state would also make simliar claims; indeed they suggest re-construction of the world on the basis of reciprocity. So, finally, the right of religious minorities shall be reduced to that of the lowest common dominator—nullifying the essential concept of equality, irrespective of religion or faith. One can only imagine the tragedy and turmoil that would characterise such a world.

West and Islamic upsurge

Even if religious rights of Muslims to maintain a religious identity are granted and aspirations for adequate representation in public employment legitimised, the society, economy and polity cannot be bifurcated into Hindu and Muslim or Muslim and non-Muslim components. Muslim India, Hindu India and many other Indias are intertwined and interpenetrate each other and are inseparable in space.

The Muslim fanatics even aspire to instal, in this age of democracy, an Islamic Government in a state in which the Muslims form a minority; their counterparts, even in the US, plan to establish Muslim rule and 'restore' the Khilafat which would once again divide the world into perpetually hostile camps of Islam and Christendom and Hindutva. The bugle is sounded in a Christian country because Muslim rule would allow them such freedom.

Since the collapse of the Communist system the West is looking for an adversary to sharpen its claws. Muslim fanaticism, real and exaggerated, comes in handy to serve its strategic objective and tactical interests. Perhaps even unknown to themselves, such forces are being supported by the West—through propaganda build-up and through financial assistance.

Islam, Muslims should know, is the religion of peace and compassion. Islam is universal, independent of time and space. So, Islam must be flexible enough to accomodate, the system's changes in the organisation of mankind and the management of human society—Islam cannot be out of step with the march of mankind towards peace and freedom, towards a world order based on democracy and secularism. There is space for sober and civilised discourse, not for violent conflicts.

The dilemma before Muslim society can be resolved only by wholeheartedly embracing the principles of democracy, the goals of a welfare state and the concept of neo-secularism (which is neither irreligious nor anti-religious), and by stopping to chase the mirage of the *Hukumat-e-Ilahiya* or unification of the Muslim *Ummah* and the restoration of the Khilafat. The *Ummah* should try to build a model state at least in one Muslim majority state combining democracy and tolerance with modern technology and Islamic morality, thus minimising socio-economic disparities.

شہاب الدین کی تحریر کا عکس

میچ جیتنے کے لئے مہارت، ذہانت اور عمدہ قیادت کی ضرورت ہوتی ہے

جنوبی افریقہ کی کمپیوٹرائزڈ ٹیم کا راستہ روکنا آسان نہیں

تحریر: سید اجمل حسین

ایک روزہ میچوں کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہی ٹیم جیتتی ہے جو اس دن یعنی میچ کے روز اچھا کھیلتی ہے۔ اس اچھا کھیلنے میں مہارت کے ساتھ ساتھ ایک اچھی اور ذہین قیادت بھی بہت ضروری ہے۔ اچھا کپتان میچ جیتنے کے لئے کسی بھی قسم کے حالات میں مایوس یا ناامید نہیں ہوتا اور میچ کی آخری گیند تک میچ جیتنے کی کوشش کرتا ہے۔ لگ بھگ چار سال بعد ورلڈ کپ کے بہانے ایک ایسا موقع ہاتھ آیا ہے کہ ایک ہی قسم کے حالات، موسم اور پچوں پر ۱۲ ملکوں کے کپتانوں اور ان کی ٹیم کی عالمی سطح پر کارکردگی کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ یوں تو ہر ٹیم اس ورلڈ کپ کے جیتنے کے عزم کے ساتھ آئی ہے اور ہر ٹیم اس کی خود کو مضبوط دعویدار بھی کہہ رہی ہے۔ لیکن اب تک کے میچوں کے بعد کی جو صورت حال سامنے آئی ہے اس میں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جنوبی افریقہ کے اس کپ کو جیتنے کے ۶۰ فیصد امکانات ہیں جبکہ باقی چالیس فیصد امکان میں آسٹریلیا، پاکستان اور پھر ہندوستان کا حصہ ہے۔

جب سے ہینسی کرونیے نے کیپلر ویسلز سے جنوبی افریقہ کی قیادت کی ذمہ داری لی ہے جنوبی افریقہ کا ریکارڈ بہتر ہی نہیں بلکہ اچانک ہی بہت عمدہ ہو گیا ہے۔ جنوبی افریقہ نے اس ورلڈ کپ میں اپنی آمد کا ڈنکا اور اپنی قوت و طاقت کا اظہار انگلستان اور ہالینڈ کی اپنے ابتدائی دونوں میچوں میں شاندار طریقہ سے ہرانے والی نیوزی لینڈ کو بری طرح پسپا کر کے کیا۔ جنوبی افریقہ نے اقبال اسٹیڈیم فیصل آباد میں نیوزی لینڈ کے خلاف جس قدر شاندار فیلڈنگ کا مظاہرہ کیا اس سے کرکٹ شائقین کرکٹ پنڈت اور مبصرین ہی نہیں بلکہ سٹے بازوں نے بھی جنوبی افریقہ کو کپ کی دعویدار ٹیموں میں سب سے مضبوط دعویدار بتایا ہے۔ پاکستان جیسی موجودہ عالمی چمپین اور شہرہ آفاق ستاروں سے جڑی ٹیم کو جس طریقہ سے جنوبی

اچھے کھیل کا مظاہرہ کرو اور یہ قیمتی ورلڈ کپ لے جاؤ

افریقہ نے کھیل کے ہر شعبہ میں مات دی وہ اپنی جگہ ایک مثال ہے اس نے محض عمدہ فیلڈنگ کی بنیاد پر ہی اپنے لگاتار چار میچ جیتے اور گروپ بی کی ٹاپ ٹیم بن کر گروپ اے کی کمزور ٹیم سے مقابلہ رکھ لیا۔ کوارٹر فائنل میں جسے وہ باسانی ہرا کر سیمی فائنل میں شاندار طریقہ سے داخل ہو جائے گی اور اس مرتبہ ۱۹۹۲ء جیسا بارش کا خطرہ بھی نہیں ہے کہ اسے بارش ہونے کی صورت میں اوور گھٹا کر ایک گیند پر ۲۱ رنز بنانے کا نشانہ دیا جائے اور یہ نشانہ دے کر ایک مضبوط اور ہر دلعزیز ٹیم کا مضحکہ اڑایا جائے۔ اگر جنوبی افریقہ کی ٹیم کا پوسٹ مارٹم کیا جائے تو ہر کھلاڑی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ کچھ اس طرح ہوگی "ہر حال میں جیتنے کی امنگ" "حریف بلے باز کو چار رن کی جگہ ۲ رنز اور ۳ رنز کی جگہ صرف ایک رن دو" "ایسے شاٹ کھیلو کہ حریف ٹیم کے فیلڈر سے گیند کوسوں دور سے نکل جائے" "چستی و پھرتی سے حریف کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دو" "میدان میں اترو تو یہ سوچ کر اترو کہ شکست کی صورت میں تدفین اسی میدان میں ہو جائے گی"۔ جہاں اس قسم کے جذبات سے کوئی ٹیم کھیل رہی ہو تو اسے سوائے ملک الموت کے کون شکست دے سکتا ہے۔

بات اتنے پر ہی نہیں ختم ہو جاتی کپتان کی ذہانت اور شاطرانہ چالوں کو مزید تقویت پہنچانے کے لیے جنوبی افریقہ کے کوچ باب وولمر نے جو نئی تکنیک یا دیگر معنوں میں "کمپیوٹرائزڈ کرکٹ" کا جو سہارا لیا ہے وہ قابل تحسین اور دنیائے کرکٹ کو حیرت زدہ کر دینے کو کافی ہے۔ باب وولمر جو انگلستان کے سابق ٹسٹ کھلاڑی ہیں جنوبی افریقہ کی ٹیم کی کوچنگ کر رہے ہیں انہوں نے فیلڈ میں کوچنگ کرانے کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر کا بھی سہارا لیا ہے اور ٹیم کی پرفارمنس بہتر کرنے کے لئے وہ کمپیوٹر کا استعمال کر رہے ہیں۔ باب وولمر جنوبی افریقہ کی طرف سے یا اس کے خلاف ہر میچ میں پھینکی گئی گیند کو اپنے کمپیوٹر کی غذا بنا دیتے ہیں اور ایک ون ڈے میچ میں عام طور پر کم سے کم ۶۰۰ بالیں ہوتی ہیں جس کے لیے انہوں نے چار الگ الگ فائلیں مرتب

جنوبی افریقہ کی ٹیم کا کوچ کرونیے ایک کھلاڑی کے ساتھ

کی ہیں ان فائلوں میں ۱۰ مختلف کٹیگری ہیں ہر کٹیگری ایک میچ کی بنیاد ہے۔ وولمر جتنے رنز بنتے ہیں انہیں ایک فائیل میں ڈالتے ہیں دوسری فائیل میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ کس جگہ کے بلے باز نے زیادہ رن بٹورے اس کے لیے انہوں نے جیومیٹری کے انداز میں میدان کو چھ حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ تیسری فائیل میں وہ یہ ڈالتے ہیں کہ گیند کی بلے باز تک پہنچنے کی لمبائی کتنی تھی خود اس فائیل میں، درجے ہیں یعنی باؤنسر لانگ ہاپ، شارٹ آف دی لینتھ، گڈ لینتھ، ہاف وولی، یارکر اور فل ٹاس۔ وولمر نے چوتھی فائیل میں گیند کی ڈائرکشن بھری ہے کہ گیند آف اسٹمپ کی طرف تھی، سیدھی تھی یا لیگ اسٹمپ کا رخ کیے ہوئے تھی۔ ان سب باتوں کو کمپیوٹر کی غذا بنانے کے بعد ہر میچ سے قبل وہ اس ٹیم کی جس سے جنوبی افریقہ کا مقابلہ ہے اور جنوبی افریقہ کی سابقہ کارکردگی سے جانکاری حاصل کرنے کے لیے کمپیوٹر سے جگالی کراتے ہیں اور اس سے اگلوا کر ٹیم کے تمام کھلاڑیوں کو بتاتے ہیں کہ حریف ٹیم کے کس بلے باز کی کیا کمزوری ہے۔ وہ اپنے شاٹ کس سمت میں زیادہ کھیلتا ہے یا حریف بالر کس قسم کی بالنگ زیادہ کرتا ہے اور اس کی بالنگ سے کس طرح نمٹا جاسکتا ہے۔

باب وولمر کا کہنا ہے کہ کمپیوٹر کے اس ڈاٹا کے ذریعہ ہی جنوبی افریقہ کے کھلاڑی نیوزی لینڈ کے خلاف خطرناک بلے باز ایسٹل، انگلستان کے مائیک آتھرٹن، گریم ہک اور پاکستان کے سعید انور اعجاز اور انضمام الحق کو آؤٹ کرنے میں کامیاب رہے اور خاص طور پر سلیم ملک جیسے خطرناک بلے باز پر روک لگانے میں بھی کمپیوٹر نے بھرپور ساتھ نبھایا کیونکہ وہ جس قسم کے اسٹروک کھیلتے ہیں ان کو ایسے اسٹروک کھیلنے والی بہت کم گیند ہی پھینکی گئیں۔ کیونکہ جنوبی افریقہ کے بالروں نے اس بات سے واقفیت حاصل کر لی تھی کہ انہیں گیند کہاں ڈالنی ہے اور انہوں نے کمپیوٹر کی ہدایت پر عمل کیا۔ انگلستان کے خلاف حالیہ ٹیسٹ سیریز کے دوران برطانوی کپتان مائیک آتھرٹن کی ۱۸۵ رنز کی طویل اور صبر

باقی صـ۱۳ پر

بقیہ: کامیاب کپتان

اس کے باوجود کچھ نہ کچھ ہو ہی رہا ہے ٹیم کے اندر اس آدمی کی بڑی عزت جتنس کا کوئی غلبہ نہیں جس کے اختیار میں لوگوں کو رکھنا اور نکالنا بھی نہیں ہے جو خوش اخلاق ہے اور جب بلے بازی کرتا ہے تو میچ جیت لیتا ہے۔ دوسری جانب ملک میں بھی کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے اصلاحات کا عمل واقعی برا ہے لیکن اس کے ساتھ ہمارے سامنے وسیع مواقع بھی موجود ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مستقبل کے دامن میں ان دونوں خوش نصیبوں کے لئے کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دونوں کے درمیان متوازیت آج بھی قائم ہے، ایک کے لئے آئندہ ورلڈ کپ تیزابی ٹیسٹ کی حیثیت رکھتا ہے تو دوسرے کے لئے آئندہ انتخابات۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ آنے والے دو مہینے اظہر الدین اور راؤ کے لئے بہت سخت ہو سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اب تک انھوں نے بہت کچھ پایا ہے لیکن آنے والا مقابلہ ان کی قسمت کا فیصلہ کرے گا کہ ان کے حصے میں مزید شہرت آتی ہے یا رسوائی۔ دونوں کا مسئلہ یکساں ہے۔ ان کے نائب اچھی کارکردگی نہیں دکھا رہے ہیں۔ سچن تندولکر اور من موہن سنگھ دونوں ہی اگرچہ پیش منظر سے ہٹے ہوئے ہیں لیکن انھیں دونوں کھلاڑیوں پر کپتان کا سب سے زیادہ انحصار ہے۔ دوسرا توجہ کا مستحق شعبہ فیلڈنگ کا ہے۔ ایک کے پاس کمزور فیلڈر ہیں تو دوسرا انتخابی اکھاڑے میں کمزور امیدواروں کو اتار رہا ہے۔ ایک چالاک فیلڈر ہے تو دوسرا بڑی ہوشیاری سے الزامات کے انبار سے اپنا دفاع کر رہا ہے۔ پاکستان اور سری لنکا دونوں کی روح کا کانٹا بنا ہوا ہے۔

یہ سال کرکٹ اور اصلاحات دونوں کے لئے بڑی مشکلوں کا ہے اور بڑی امیدوں کا بھی۔ ●

بقیہ: اچھے دوست

بتائی ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جو غذا کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی ضرورت آدمی کو وقفے وقفے سے پڑتی رہتی ہے۔ بعض دوست دوا کی طرح ہیں جن کی ضرورت کبھی کبھی پیش آتی ہے۔ بعض دوست ہوا کی طرح اہمیت رکھتے ہیں جن کے بغیر انسان سانس نہیں لے سکتا ان کا ساتھ ہمہ وقت ضروری ہے۔ یہ دوست ایسے طالب علم کی صورت میں میسر آتا ہے جو آپ کو اچھی نصیحت کرے اللہ کی اطاعت و عبادت پر مائل کرے ایسی مجلسوں میں لے جائے جہاں اللہ کا ذکر ہو اور توبہ و استقامت دین کی ترغیب دی جاتی ہو۔

ایک صاحب تقویٰ بزرگ جو بینائی سے محروم ہو چکے تھے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی بینائی جاتے رہنے کا کیا سبب ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ مفسد اور گمراہ لوگوں کو دیکھتے رہنے سے یہ آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ پھر یہ دریافت کیا گیا کہ اگر نماز پڑھتے ہوئے آپ کے دائیں جانب کوئی مفسد ہو اور بائیں جانب ویسا ہی بد کردار شخص تو آپ کیا کریں گے۔ ان بزرگ نے کہا کہ میں صرف داہنی طرف یعنی ایک ہی سلام پھیرنے پر اکتفا کروں گا۔

بقیہ: بجلائی کی بجلی

اپنے گھر میں گزارا تھا اور وہ بھی زیادہ تر وقت فون پر غیر عورتوں سے بے شرمانہ انداز میں باتیں کرتا رہا اور نورین اپنے کمرے میں بیٹھی اس کا انتظار کرتی رہی۔ گذشتہ چند مہینے تو انتہائی برے گزرے۔ اس نے بمشکل کبھی نورین سے بات کی ہوگی جس کی بنا پر نورین ذہنی اذیت میں مبتلا رہی۔ لیکن چونکہ وہ بہت صابر و شاکر قسم کی عورت ہے اس لئے اس نے کسی سے اس کی شکایت نہیں کی۔ اسے امید تھی کہ اظہر اپنا رویہ بدلے گا اور اپنے گھر میں واپس آجائے گا۔

نورین کے والد عبدالرشید جو کہ دوبئی میں ملازمت کر چکے ہیں کا کہنا ہے کہ ہم نے اتنا کما لیا ہے کہ ہم نورین کو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔ اظہر نے تو اپنے دونوں بیٹوں کا بھی خیال نہیں رکھا۔ میرا خیال ہے کہ اظہر اب نورین کو نہیں رکھے گا لیکن مجھے شکایت یہ ہے کہ اس نے اس معاملے کو عوامی معاملہ کیوں بنا دیا بلاشبہ اظہر کے اس اقدام سے ہمارے گھر کا سکون غارت ہو گیا ہے۔ اس وقت پورے حیدر آباد میں یہی مسئلہ موضوع گفتگو بنا ہوا ہے۔ حیدر آباد کے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ بہت اچھا لڑکا ہے لیکن اتنی کم عمری ہی میں اتنی زیادہ دولت اور شہرت نے اس کا دماغی توازن بگاڑ دیا ہے اور طلاق کی بھی یہی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اسے اس کا ہوش نہیں ہے کہ اسے کیا کرنا چاہئے اور کیا کر رہا ہے۔

لوگوں کا یہ کہنا بہت حد تک صحیح ہے کہ دولت اور کامیابی نے اظہر کا دماغ خراب کر دیا ہے اس نے اپنی اقدار و روایات سے ہٹ کر آسمان میں پرواز کرنا شروع کر دیا ہے۔ کیا اسے ہندوستانی مسلمانوں کو یہی تحفہ دینا چاہئے تھا۔ لوگوں کو امید تھی کہ اظہر ان کے دامن میں ورلڈ کپ کا تحفہ ڈالے گا لیکن اس نے اپنی بیوی کو طلاق اور ایک ماڈل گرل اداکارہ سے شادی کے اقرار نامے کی چپت اپنے مسلم مداحوں کے منہ پر لگائی ہے۔ اسے یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ جب لوگوں کی دعائیں اور نیک تمنائیں کسی کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں تو کامیابی بھی جلد ہی اس سے کترانے لگتی ہے۔

قیادت کے نااہل دو خاموش، سست رفتار مگر کامیاب کپتان

ایک کے لئے ورلڈ کپ تیزابی تجربہ ہے تو دوسرے کے لئے الیکشن موت وزیست کا معاملہ ہے

تحریر: عامر اللہ خان

۹۱ - ۱۹۹۰ امید و بیم کا سال تھا وہی سال جس میں دو ایسے سیدھے سادے اور گمنام ہیروؤں کی کہانی نے جنم لیا جن کا کوئی کارنامہ سامنے نہیں آیا تھا اور جن کا مستقبل بھی غیر یقینی تھا۔ اترا ہوا چہرہ ان دونوں کا نمایاں ترین ذاتی وصف تھا اور دونوں ہی نسبتاً سست رفتار شہر حیدر آباد سے تعلق رکھتے تھے۔

جنوری ۱۹۹۰ء میں سری کانت کے ہٹنے پر جب انڈین کرکٹ ٹیم کے کیپٹن کا عہدہ خالی ہوا تو ٹیم کے سامنے تشویشناک صورت حال پیدا ہوگئی کیونکہ کوئی ایسا نظر نہیں آرہا تھا جو اس باوقار عہدے کے ساتھ انصاف کرسکے۔

جون ۱۹۹۱ء میں کانگریس پارٹی کے اقتدار میں آنے اور راجیو گاندھی کی موت کے بعد پارٹی جس کی بنیادیں ہل چکی تھیں ایک ایسے آدمی کی ضرورت شدت سے محسوس کررہی تھی جو پارٹی کو کھویا ہوا وقار لوٹا کر اس کو مزید کمزور ہونے سے بچالے اور اس کے لیے درکار تھا کوئی ایسا شخص جو تجربہ کار غیر متنازعہ اور سب کے لیے قابل قبول ہو۔ عین اسی طرح کرکٹ ٹیم کو ایک شرمیلے بلے باز کی صورت میں اپنا کپتان مل گیا جو پاکستان سیریز میں بلے بازی میں کوئی مقام پانے کے لئے جان توڑ کوشش کررہا تھا۔ یہ ایسا کھلاڑی تھا جسے اپنی کرکٹ کی زندگی کا خاتمہ نظر آرہا تھا کیونکہ کراچی ٹیسٹ کی کھلاڑیوں کی فہرست سے اس کا نام تقریبا خارج تھا دوسری طرف سیاست کو ایسے شخص کی صورت میں مسیحا مل گیا جس نے ایک قدم آگے بڑھ کر

اظہر الدین

در حقیقت اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی اور اپنے استاد کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ سیاست سے مایوس ہوچکا ہے اور الیکشن نہیں لڑے گا۔

محمد اظہر الدین (سن ولادت ۱۹۶۳) اور پاملا پارتی وینکٹ نرسمہا راؤ (سن ولادت ۱۹۲۱) کی زندگی پر ماضی کی روشنی میں نظر ڈالیں تو تادم تحریر ایک ملک کا "کامیاب ترین کرکٹ کپتان" ہے تو دوسرا "بہترین وزیر اعظم"۔

۱۹۸۱ میں کسی کشش سے عاری ایک طرحدار بلے باز نے عثمانیہ یونیورسٹی کی طرف سے کھیلنا شروع کیا۔ اس میں کوئی غیر معمولی بات تو نہیں لیکن جن لوگوں نے اس کی بلے بازی دیکھی انھوں نے کوئی ایسی عجیب بات ضرور محسوس کی جس نے آگے چل کر حقیقت کا روپ دھارا۔ ۱۹۸۶ میں اظہر الدین مسلسل تین سنچریاں بنا کر انٹرنیشنل لیگ پر چھا گئے۔ اور پھر ایک سال شہرت کما کر دھندلا گئے تاہم انھیں ٹیم کے اندر ایک اچھے فیلڈر اور مفید بلے باز کی حیثیت سے اہم مقام حاصل رہا۔

جب پی وی نرسمہا راؤ وزیر اعظم بنے تو مبصرین نے بڑی ناک بھوں چڑھائی۔ کہا جاتا تھا کہ وہ دو سال بھی نہیں ٹک پائیں گے۔ ان میں کوئی کار نمایاں کر دکھانے کی صلاحیت نہیں، ایوان میں اکثریت کی حمایت انھیں حاصل نہیں اور پارٹی کے اندر ایک سے ایک جغادری پڑا ہوا ہے۔

کرکٹ کے شائقین کی طرف سے بھی کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار ہوا تھا۔ مثلاً یہ کہ یہ چھوکرا جسے ٹیم میں محض اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ کسی حد تک فیلڈنگ کرلیتا ہے کیسے چار سابق کپتانوں پر مشتمل ٹیم کی قیادت سنبھال سکے گا۔ کچھ ہی دنوں کی بات ہے کہ وہ باہر نظر آئے گا پھر نہ وہ کپتان رہے گا اور نہ ہی ٹیم کا ممبر۔

دونوں کپتان پرجوش انداز میں اپنے نکتہ

نرسمہا راؤ

چینوں کے اندیشوں پر پورے بھی اترتے ہیں پھر بھی دونوں کہتے کچھ نہیں بس چپ سادھے رہتے ہیں جب ملک کی کرکٹ ٹیم اور ملک دونوں جل رہے تھے تو دونوں کا رد عمل صرف صبر آزما خاموشی کی صورت میں نمودار ہوا۔ کبھی دبے الفاظ معذرت کا کوئی لفظ نکل گیا تو ٹھیک ورنہ وہ بھی نہیں۔ ادھر ملک کی سیاسی بساط پر اسمبلی انتخابات کا نتیجہ راؤ کے حق میں سازگار نہیں ہوا اور مخالفین نے ہنگامہ تیز کردیا۔ جو وزیر اعظم کچھ نہ کرے وہ کسی کے خلاف ایکشن بھی نہیں لے سکتا۔ جے للتا نے تو راؤ کو ناکارہ تک کہہ دیا اور یہ کہ شاید ملک بغیر کسی وزیر اعظم کے چل رہا ہے۔ اظہر کے ہاتھ میں استعفیٰ ہے اور نرسمہا راؤ ٹیلی ویژن پر بیمار اور اخبارات میں کمزور نظر آتے ہیں۔

اب یہ وقفے کا مرحلہ ہے۔ کچھ دم لے کر صورت حال کا تجزیہ کرلیں تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں احمقانہ تقریریاں کس قدر بے مصرف ثابت ہوئی ہیں۔ کیا ان دونوں کے انتخاب سے بڑی غلطی ہم سے کبھی سرزد نہیں ہوئی تھی۔ کیا ہم نے ان جنوبی ہند والوں کو اپنا لیڈر منتخب کرکے غلطی کی ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہ دونوں، جمورے ذہین، تیز اور باصلاحیت ہیں۔ لیکن یہ قیادت نہیں سنبھال سکتے۔ ان میں جارحیت کا عنصر کہیں سے نہیں ہے۔

باقی ص۸ پر

ازدواجی گراؤنڈ پر اظہر کلین بولڈ

بجلانی کی بجلی نے اظہر کا گھر پھونک دیا

تحریر: سہیل انجم

اس وقت پورے ملک کے عوام کرکٹ کے بخار میں مبتلا ہیں یہ بخار اپنے نقطہ عروج پر ہے۔ یوں تو بخار تکلیف دہ اور بدمزا ہوتا ہے لیکن کرکٹ کا یہ بخار لذت آمیز اور مسحور کن ہے اور ہر شخص اس لذت آمیز کیفیت میں زیادہ سے زیادہ دنوں تک گرفتار رہنا چاہتا ہے۔ لیکن اس بار یہ بخار واقعی بدمزا اور کسیلا ہوگیا ہے بالخصوص کرکٹ کے شائقین ہندوستانی مسلمان جس کیفیت سے دوچار ہیں اس نے ایک خاص کرکٹر کے تئیں ان کی دلچسپیوں کو کم کردیا ہے حالانکہ ابھی تک یہی شائقین اس سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ لیکن اس کی ایک حرکت نے اپنے مداحوں کو مایوس کردیا اور اب تک جو لوگ اسے دعائیں دیتے تھے وہ اس کی شان میں نازیبا کلمات کہنے سے بھی گریز نہیں کررہے ہیں۔

جی ہاں آپ سمجھ گئے ہندوستانی کپتان اظہر الدین کا ذکر خیر ہورہا ہے اور آپ یہ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ اظہر سے مسلم شائقین کی بے رخی کی وجہ اپنی بیوی کو طلاق اور ایک ماڈل گرل سے شادی کا اعلان ہے۔ آٹھ نو سال قبل اظہر کی حیدر آباد ہی کی لڑکی نورین سے شادی ہوئی تھی جس سے دو بچے ہیں لیکن سابق ماڈل گرل اور موجودہ ناکام اداکارہ سنگیتا بجلانی سے اظہر کی دوستی دو سال قبل شروع ہوئی۔ اور اظہر ازدواجی گراونڈ پر بجلانی کے ہاتھوں کلین بولڈ ہوگیا۔ بجلانی نے ایسی بجلی گرائی کہ اظہر اپنی وفا شعار اور مذہبی بیوی کو بھول گیا اور اسے طلاق دیدی، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے مبینہ طور پر اپنے والدین سے الگ اس ماڈل گرل کے ساتھ بمبئی میں بس جانے کا بھی اعلان کردیا ہے اظہر الدین جیسے مذہبی کہے جانے والے نوجوان سے ایسی توقع کسی کو نہیں تھی اور یہ واقعہ ورلڈ

اظہر اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ — خوشگوار دنوں کے لمحات

کپ کے موقع پر منظر عام پر آیا۔ نورین کو اس وقت۔ حاصل ہونے والی بے انتہا خوشی بے انتہا غم میں بدل گئی ہے۔ اظہر کے والدین نے اعلان کیا ہے کہ اگر اس نے ایسا کیا بھی تو وہ نورین کو الگ نہیں کریں گے بلکہ اپنے گھر ہی میں رکھیں گے۔ نورین کے والدین غم و الم کے عالم میں لوگوں سے دعاؤں کے طلبگار ہیں۔

حالانکہ اظہر الدین نے ابھی تک کھل کر اس مسئلے پر کوئی بات نہیں کہی ہے لیکن اس کے انداز تکلم اور جملوں کی معنویت سے اس شبہے کو تقویت پہونچتی ہے کہ اس نے نورین سے الگ ہوکر سنگیتا کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس موقع پر لوگ اظہر کا موازنہ عمران سے کرنے میں حق بجانب لگ رہے ہیں۔ اس کے مداحوں کا کہنا ہے کہ عمران جو کہ غیر شادی شدہ تھا ایک دوسرے مذہب کی لڑکی کو مسلمان بنا کر شادی کرتا ہے اور ایک اظہر ہے کہ شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہوتے ہوئے بھی اپنی بیوی کو طلاق دیکر ایک غیر مسلم ماڈل گرل اور حیا سوز حرکتوں میں ملوث اداکارہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ ماڈل گرل بھی ایسی کہ جس کے اس سے قبل جنسی اسکینڈل بھی اچھل چکے ہوں اور غیر مردوں سے جس کے تعلقات کی کہانیاں لوگوں کو معلوم ہوں۔ اظہر کے مداحوں کو شکایت ہے کہ کیا وہ اپنی بیوی کے ساتھ ساتھ سنگیتا کو مسلمان بنا کر اس سے شادی کرکے اسے دوسری بیوی کی حیثیت سے نہیں رکھ سکتا تھا سلام میں جب چار شادیوں کی اجازت ہے تو اظہر نے یہ بیوقوفانہ قدم کیوں اٹھایا؟

اگر کچھ لوگوں کا یہ خیال ہو کہ نورین کے متعلق اظہر کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو اس کا بھی امکان بہت کم ہے۔ کیونکہ اظہر کے رشتے داروں کے مطابق نورین انتہائی خاموش طبع اور مذہبی قسم کی عورت ہے۔ اتنے شہرت یافتہ اور دولت مند شخص کی بیوی ہونے کے باوجود اس کے کسی سے دوستانہ مراسم بھی نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ اظہر جب غیر ملکی دوروں پر اسے لے جاتا تو وہ ہوٹل ہی میں قید رہتی اور اظہر کو شاپنگ کے لئے دوستوں کی بیویوں کے ہمراہ جانا پڑتا۔

نورین کی ماں غوثیہ کا کہنا ہے کہ اظہر نے پچھلے پورے ایک سال میں صرف دو یا تین دن

باقی ص۸ پر

مغرب میں اب یہ تاثر عام ہوتا جار

ترکی میں اسلامی پیش رفت پر اکانومس

جمہوریت پسند حلقے اسلام نوازوں کو کہاں تک برداشت کریں یہ سوال مسلم دنیا میں انتخابات کرانے اور اسلامی پارٹیوں کی فتح مندی کی شروعات کے ساتھ زیادہ دہرایا جانے لگا ہے۔ اس سوال کے جواب کی ضرورت اس وقت ترکی میں شدت سے محسوس کی جارہی ہے جہاں پچھلے دسمبر میں اسلامی ویلفیر سوسائٹی پہلی بار ابھری ہے اگرچہ اسنے صرف ۲۱ فیصد ووٹ حاصل کیے اور سیکولر پارٹیوں کو اس کی شمولیت کے بغیر مخلوط حکومت بنانا مشکل نظر آرہا ہے۔ ترکی کے ڈیموکریٹوں کو تذبذب میں پڑنے کے بجائے ویلفیر پارٹی کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ یہ تذبذب اور پس و پیش کسی حد تک سمجھ میں بھی آتی ہے اس لئے کہ اسلامی ویلفیر پارٹی ایسی محبوب بھی نہیں ہے۔ اس کے سربراہ نجم الدین اربکان نے انتخابی مہم کے دوران بعض چونکا دینے والی باتیں کہی تھیں مثلاً ان کی یہ خواہش کہ عالمی استعماریت اور صہیونیت اور اسرائیل کا خاتمہ کردیا جائے، ایک اسلامی اقوام متحدہ قائم ہو، اسلامی ناٹو اور یوروپی اتحاد کے اسلامی متبادلات وجود میں آئیں۔ ان کے بعض رفقاء کار خوفناک حد تک نہ صرف مغرب مخالف بلکہ سامیت مخالف اور آرمینیا مخالف ہیں۔

لیکن اربکان ایسے پہلے سیاستداں نہیں ہیں جس نے بعض الفاظ کو یہاں تک کہ آدھی لغت کو پی جانے ہی میں بہتری سمجھی ہو اور نہ ہی وہ پہلے شخص ہیں جس نے اپنے رفقاء کے بیانات سے الجھن محسوس کی ہو۔ انتخابات کے ختم ہوتے ہی وہ زیادہ معتدل نظر آنے لگے۔ اور مخلوط حکومتوں میں دوبارہ وزیر اعظم کی حیثیت سے ان کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی آگ ان کے پیٹ میں ہے اس سے زیادہ ان کے منہ میں ہے۔

اس خیال پر غور کرنے کے بعض دوسرے اسباب بھی ہیں کہ ویلفیر پارٹی پر اعتماد کرنے کا جوکھم اٹھایا جاسکتا ہے۔ اول یہ کہ دیگر جگہوں پر اسلامی پارٹیوں کی طرح ویلفیر پارٹی منظر سے غائب ہونے والی نہیں ہے۔ اگر ترکی کی دیگر دو اہم پارٹیاں یعنی مدر لینڈ اور ٹرو پاتھ مستقل ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوں تو ترکی میں پوری طرح مرکزی حکومت ہوتی۔ اگر دونوں پارٹیوں کے درمیان یہ رسہ کشی ختم بھی ہوجائے تو پالیسیوں کے بجائے شخصیتیں ہی ان کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کی کوشش کریں گی۔

ہوسکتا ہے کہ ...
میں زیادہ دو...
کوئی جگہ بنا...

عالی مرتبت جناب پی وی نرسمہا راؤ
وزیر اعظم ہند

جناب غلام نبی آزاد
وزیر برائے شہری ہوابازی و سیاحت

شریمتی سکھ بنس کور
وزیر مملکت برائے سیاحت

سیاحت کے کثیر رخی اثرات لامحدود اور دور رس ہیں جو کاروبار، صنعت و تجارت اور تفریح کے ذریعہ عوام تک پہنچ کر 7400 کروڑ روپے کی زرمبادلہ کی آمدنی کی بنیاد بنتے ہیں۔

سیاحت ہماری معیشت میں زبردست کردار ادا کرتی ہے۔ یہ نہ صرف ہمارے طرز زندگی کو بدیسی چاشنی عطا کرکے ہمیں جذباتی اعتبار سے مالا مال کرتی ہے بلکہ سیاحوں کی آمد سے ہمارا مقامی بنیادی ڈھانچہ بھی بہتر ہوتا ہے۔ سیاح یہاں سے اپنے ساتھ فن کاری اور دستکاری کے نمونے اور ملبوسات لیکر لوٹتے ہیں اور اس طرح ہندوستانی اشیاء کو درون ملک اور منڈیاں حاصل ہوتی ہیں۔

سیاحت راست اور بالواسطہ طور پر ایک کروڑ 80 لاکھ روزگار فراہم کرتی ہے۔ براہ راست یہ پروازوں، بذریعہ ریل و سڑک نقل و حمل، مواصلات دستکاری اور تفریح جیسی خدمات پر مبنی صنعتوں کو فروغ دیتی ہے اور بالواسطہ کئی طرح کی معاون خدمات میں دستکاروں، کارخانہ داروں، رقص و موسیقی کے فنکاروں، گائیڈوں اور تاجروں جیسے کروڑوں لوگوں کیلئے روزگار کا ذریعہ ہے۔

سیاحت ہمارے عوام اور ہماری معیشت کو فائدہ پہنچانے کے ساتھ ساتھ دوستی کے بندھن قائم کرکے ہمارے ملک کے معاشرتی تانے بانے کو مستحکم کرتی ہے۔

Visual Comm.\DOT\1547A\96

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے
سالانہ چندہ ایک سو روپے / چالیس امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابوالفضل انکلیو
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا
فون نمبر 6827018 ۔۔ 6926030
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

رہا ہے کہ مستقبل اسلام کا ہے

...و مسٹ لندن کے اداریے کا متن

ہوسکتا ہے کہ ویلفیر پارٹی آئندہ کسی انتخاب میں زیادہ ووٹ حاصل کرکے حکومت میں اپنی کوئی جگہ بنالے۔ بعض بڑے شہروں کا انتظام جن میں انقرہ بھی شامل ہے وہ پہلے ہی سنبھالے ہوئے ہے اور اطمینان بخش کارکردگی کا مظاہرہ کررہی ہے۔ اگر اسے کسی مرحلے پر حکمراں پارٹی بنتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ وہ اتحاد قبول کرے۔ ویلفیر پارٹی کسی صورت میں چاہے وہ اس وقت حکومت میں آبھی جائے، رائے دہندگان کے فیصلے کو مسترد کرنے کے قابل نہ ہوسکے گی اگر وہ اسے کبھی باہر نکال پھینکنا چاہیں اور جمہوریت میں رائے دہندگان ایسا کرتے بھی ہیں اس لئے اسلامی پارٹیوں کے لئے صرف یہی بات باعث تشویش ہونی چاہئے کہ جب وہ ایک بار اقتدار میں آجائیں گے تو وہ انسانوں کے قانون کے اوپر خدا کا قانون نافذ کریں گے اور یہ تعبیر پیش کریں گے کہ خدا کا قانون ان کے مقاصد کے لئے سازگار ہے۔ ترکی میں ایسی کوئی تشویش پیدا نہیں ہوگی۔ اسلامی پارٹیوں میں ویلفیر کا شمار سب سے کم تحکم پسند جماعتوں میں ہوتا ہے اور سیکولر پارٹیوں کے اتحاد کے رکن کی حیثیت سے اپنی انتخابی پذیرائی زیادہ عرصے تک قائم نہیں رکھ سکتی۔

جمہوریت اچھی حکومت کی ضمانت نہیں دے سکتی۔ (اگر ایسا ہوتا تو ترکی معیشت کو اپنی موجودہ ابتری کا سامنا نہ ہوتا) جمہوریت رائے دہندگان کو احمقوں کا انتخاب کرنے سے روکتی ہے اور خطرناک سیاستدانوں کا بھی۔ اس لئے یہ خطرہ باقی رہے گا کہ ویلفیر پارٹی اقتدار میں آکر بعض زیادہ احمقانہ کام بھی کرے گی تاہم اس کے کردار کو بعض کم اہمیت کی وزارتوں تک محدود کرکے اس خطرے کو ہلکا کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ عرصہ تک اقتدار میں رہ لینے کے بعد اس کے متشدد لیڈروں کے تیور بھی نرم پڑیں اور اس کی پالیسیوں میں بھی اعتدال آئے۔

اگر ایسا ہوگیا تو ترکی سب کے حق میں اچھا ثابت ہوگا۔ دیگر ممالک میں اسلام نواز عناصر یا تو انقلاب کے ذریعے (ایران میں) یا شاہی جانشینی کے تحت (سعودی عرب میں) برسر اقتدار آئے ہیں۔ مستقبل میں زیادہ سے زیادہ اسلام نواز طاقتیں انتخابی عمل کے ذریعے اقتدار میں آئیں گی۔ ترکی کی خوشگوار نذیر سے نہ تو خائف ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کی مخالفت کی۔

* *

بوسنیا کے بارے میں آپ میری رہنمائی کریں

میں ہندوستان کے ضلع گورکھپور کا رہنے والا ہوں اور اس وقت پانچ ماہ سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں۔ میں یہاں ڈرائیور ہوں۔ میں ادھر ایک مہینہ سے آپ کا ملی ٹائمز پڑھتا ہوں پہلے تو میری دعا ہے کہ خداء باری تعالیٰ آپ کے اخبار کو دن دونی ترقی دے اور ملت اسلامیہ کے بارے میں آپ کے خیالات اور جذبات کو اور ترقی دے کہ آپ مسلمانوں کے لئے فلاحی کار گزاریاں بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دیں۔ (آمین) کئی بار بوسنیا سے متعلق اشتہارات پر نگاہ پڑی تو دل بے قابو ہو گیا۔ میں اسلامی تاریخوں کی کتابوں کا بہت شائق رہا ہوں اور بوسنیا کے حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے آج محمد بن قاسم طارق بن زیاد۔ سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے لوگوں کی بہت یاد آتی ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ خدا مجھے اس نیک کام کے لئے قبول کر لے۔ میں بھی بوسنیا میں جہاد فی سبیل اللہ کے جذبہ کے تحت جانا چاہتا ہوں خدارا آپ میری رہنمائی کریں میری ایک اولاد ۱۸ سال کی ہے انشاء اللہ میرے بعد وہ گھر سنبھال لے گی اور پھر خدا کی راہ میں نیک ارادے لئے جانا چاہتا ہوں اللہ ان کی حفاظت کرے گا۔ بس آپ سے مودبانہ گذارش ہے کہ آپ میرے رہبر بن کر رہنمائی کریں۔ ہمیں آپ کی رہبری کا انتظار رہے گا۔

عبیدالرحمن انصاری

پوسٹ بکس ۵۰۰۹، مدینہ منورہ۔ سعودی عربیہ

ملی پارلیامنٹ کی تجاویز سے ملت کا علاج

اس ہفتہ کا ملی ٹائمز دیکھنے کا موقع ملا۔ اس میں جس حقیقت پسندی سے ملی مسائل کا تجزیہ کیا گیا وہ قابل قدر ہے۔ اب تک ہمارے لیڈروں نے بزدلانہ نسخے بہت سے تجویز کئے لیکن ملت کی تکلیف میں کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ ملی پارلیامنٹ نے جو نسخہ تجویز کیا ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو میرے خیال میں یہ ایک تیر بہدف علاج ثابت ہوگا۔ ایک عرصہ سے امت مسلمہ کو اس نسخہ کی ضرورت تھی لیکن ہمارے ہر لیڈر اور عالم نے مصلحت پسندی کے تحت اسے عوام کی نظروں سے چھپائے رکھا۔ بہرحال یہ تجاویز ہمارے دلوں کی آواز ہے ہم خدا سے دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت ملی پارلیامنٹ کے ہر چھوٹے بڑے کارکن کو ہمت و استقلال عطا کرے۔

(آمین)

محمد عنایت اللہ صدیقی، حیدر آباد

اصل انٹرویو جلد شائع کریں

کبھی کبھی ملی ٹائمز غالباً ڈاک کی گڑبڑی کی بنا پر تاخیر سے موصول ہوتا ہے۔ براہ کرم محکمہ ڈاک کو اس جانب متوجہ کریں۔ الحمدللہ آپ کا اخبار بڑا ہی معیاری ہے۔ خاص طور سے آخری صفحہ دلچسپ ہوتا ہے۔ ابلیس کی کہانی ایک معلوماتی اور حیرت انگیز سلسلہ ہے۔ لیکن یہ خاصا طویل ہوتا جا رہا ہے۔ براہ کرم اصل انٹرویو جلد شائع کریں۔

کے۔ ایم۔ عارف، پونا

خطبہ کے لئے مبارکباد قبول کریں

ملی ٹائمز ملا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے جو خطبہ صدارت پٹنہ اجلاس میں پڑھا شاید ہی کوئی بڑا سے بڑا مفکر ایسا خطبہ دے سکے۔ ہم آپ کو اس کے لئے مبارکباد دیتے ہیں۔ کسی وجہ سے میں اس اجلاس میں شرکت نہ کر سکا جس کا بہت ہی افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کے کام کے لئے آپ کی عمر دراز کرے آمین۔ اور اخبار کو ترقی دے۔ کانپور میں میں نے کئی لوگوں کو اخبار پڑھنے کے لئے دیا۔ شاید وہ ممبر بنیں۔ میں نے ان لوگوں کو آپ کا پتہ دے دیا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ میں آپ کے ہر کام میں برابر شریک رہوں گا۔

الحاج ڈاکٹر عزیز احمد

سکریٹری

حسرت موہانی اسپتال، ہمایوں باغ، کانپور

ایک ایک لفظ سے غلبہ اسلام کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں

آج ایک اسٹال پر ملی ٹائمز کے شمارے پر نظر پڑی۔ یونہی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس کے مضامین دلچسپ اور معلوماتی لگے۔ خرید کر گھر لایا۔ اور شروع سے آخر تک پڑھ ڈالا۔ زبان و بیان بڑا معیاری ہے۔ مجھے لگا کہ اس اخبار کے ایک ایک لفظ سے غلبہ اسلام کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ میری طرف سے آپ کو اتنے بلند اور معیاری اخبار نکالنے پر دلی مبارکباد۔ اللہ اسے استحکام بخشے۔

ڈاکٹر فہیم اختر، بمبئی

میں سعودی عرب میں ملی ٹائمز کا خریدار بننا چاہتا ہوں

جناب ایڈیٹر صاحب!

میں یہاں سعودی عرب میں ملازمت کرتا ہوں۔ مجھے یہاں الخفجی میں ملی ٹائمز مل جاتا ہے اور جب مجھے اخبار مل جاتا ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ یہاں مجھے اپنے ملک اور خصوصاً اپنی ملت کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ مجھے ملی ٹائمز پابندی سے نہیں مل پاتا۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ میں آپ کا سالانہ خریدار بنوں اور اخبار مجھے پابندی سے پڑھنے کو ملے۔ میں اپنے گھر والوں کو بھی ملی ٹائمز پابندی سے پڑھوانا چاہتا ہوں لہٰذا مجھے ہندوستان میں اور یہاں سعودی عرب میں سالانہ خریداری سے آگاہ کریں میں انتہائی شکر گزار ہوں گا۔

شیخ طالب بن عیسی

پوسٹ بکس نمبر ۱۹۴۷، الخبر (سعودی عرب)

ایک اعزازی کاپی بھیج کر غرباء کا دل رکھ لیں

ملی ٹائمز کا بڑی پابندی سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ ہمارے علاقے میں غریب مسلمانوں کی کثرت ہے۔ زیادہ تر لوگ مزدور طبقے کے ہیں ان کی اکثریت خواندہ ہے۔ یہ لوگ بڑی بے قراری سے نئے شمارے کا انتظار کرتے ہیں اور باری باری مانگ کر مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ خرید کر پڑھیں لیکن معاشی پریشانیاں مانع ہیں۔ اگر ممکن ہو سکے تو ایک اعزازی کاپی بھیج کر ان غرباء کا دل رکھ لیں۔

(ماسٹر) محمود حسن شمسی، چنڈی گڑھ

مسلم تنظیموں کا کالم ہر شمارے میں دیں

ملی ٹائمز انٹرنیشنل بلا شبہ گروہی، مسلکی، جماعتی یا علاقائی تعصبات سے اوپر اٹھ کر امت کا بے باک ترجمان ہے، آپ کی ادارت میں نکلنے والا یہ ہفت روزہ ترقی کی طرف گامزن ہے البتہ کبھی کبھی مسلم تنظیموں کا کالم حذف کر دیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہ کالم مستقل کریں۔ کسی بھی مخلص فرد یا جماعت کے لئے مخلصانہ تنقید بہ مرحلہ تذکیر ہوتی ہے۔ اور افراد امت کو اس سے صحیح رہنمائی ملتی ہے۔ اللہ کرے یہ جذبہ نصح و خیر خواہی امت کے حق میں مفید ثابت ہو۔

راحیل، علی گڑھ

تصاویر پر خاص توجہ دیں

حقیقت یہ ہے کہ عالمی پیمانے پر مسلمانوں کا کوئی بہترین ترجمان نہیں تھا۔ لیکن خوشی اس امر پر ہے کہ ملی ٹائمز نے تقریباً اس خلا کو پر کر دیا ہے

یہ فی الواقع ایک قابل ستائش صحافتی کوشش ہے۔ آپ سے مخلصانہ عرض ہے کہ ملی ٹائمز میں شائع ہونے والی تصاویر پر کڑی نظر رکھیں تاکہ غیر اخلاقی چیزوں کا دخل نہ ہو سکے خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ حضرات کو، جس مقصد کو لے کر اٹھے ہیں، اس میں کامیاب فرمائے۔ اور یہ ملی ٹائمز آسمان صحافت پر ایک درخشاں ستارہ بن کر روشن رہے۔ ہماری نیک توقعات و خواہشات آپ کے ساتھ وابستہ ہیں۔

ابن محمد مصطفی

جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی)

شکریہ مگر پتہ دے دیں

جناب ایڈیٹر صاحب!

آپ نے اپنے موقر اخبار ملی ٹائمز میں میری کتاب "دلی کی تاریخی مساجد حصہ اول" پر ایک شاندار تبصرہ شائع کر کے، علمی، تحقیقی کاموں کے لئے اپنی ملی و قومی دردمندی کا ثبوت دیا ہے۔ جس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن تبصرہ میں غلطی سے مولانا آزاد اکیڈمی کا پتہ درج نہ ہو سکا جو یوں ہے۔

مولانا آزاد اکیڈمی۔ ۳۴، ابوالفضل انکلیو، اوکھلا۔ نئی دہلی۔ ۲۵

عطاء الرحمن قاسمی

ملی پارلیامنٹ کی تجاویز سے ہم مسلمان متفق ہیں

ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے حقیقی وفاق کے بارے میں آپ کی تنظیم کا مطالبہ پڑھا۔ دراصل آزادی سے قبل مولانا آزاد اور مسٹر جناح نے بھی کیبینٹ مشن پلان کی تجویز پر ایسے وفاق کو تسلیم کیا تھا۔ اب دوبارہ ملی پارلیامنٹ سے وابستہ مسلمانوں نے پٹنہ اجلاس میں دل کی گہرائیوں سے وفاق کی تشکیل کا مطالبہ کیا ہے دراصل اس برصغیر کی تمام خامیوں کا یہی ایک علاج ہے۔ ہم اس کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر کے۔ عبدالستار، ڈاکٹر رفعت شیریں

انا نگر ایسٹ۔ مدراس

سیاسی بل کے نفاذ کے لئے ملی پارلیامنٹ کا طریقہ کار کیا ہے

ملی پارلیامنٹ کے ۱۵-۱۴ جنوری کے اجلاس میں قائد ملی پارلیامنٹ کا خطبہ پڑھا۔ آپ نے حاضرین میں سے ہر شخص سے امید قائم کر رکھی ہے کہ وہ قریے قریے کوچے کوچے میں آپ کی انقلابی فکر کو پہنچا دیگا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس کے لئے آپ نے کونسا طریقہ کار بنایا ہے کہ آپ کی امید بر آئے گی۔ کون سی زبان میں۔ کون سے میڈیم سے۔ کتنوں کے ذریعے۔؟

آپ نے کہا کہ فی زمانہ امت مسلمہ میں دردمند۔ اعلیٰ صلاحیت کے حامل مخلصین کی کمی نہیں۔ مجھے ایسے پانچ افراد کے نام بتائیے۔ جو ان کے حامل ہوں۔

آپ نے درباری علمائے کرام کی بات کی ہے۔ جن کے پیچھے کروڑوں روپے کی میڈیا کی اور ہزاروں بے وقوفوں کی تائید ہے۔ ایسے درباری علماء سے نمٹنے کے لئے آپ کے پاس کیا پروگرام ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ آپ کی کیا عمر ہے۔ میں ۵۵ برس دیکھ چکا ہوں۔ ۴۰ سال سے آپ کی جیسی سینکڑوں تقریریں سنیں اور ایسے مضامین پڑھے۔ ایسی پرجوش اور پرامید تقریریں بھی ملت کو نقصان پہنچانے کا باعث ہوئی ہیں۔ جذباتی بناتی ہیں اور عقل و شعور کو مار ڈالتی ہیں۔

آپ کے سیاسی بل میں وہ سب باتیں ہیں جو کبھی جماعت اسلامی کی تھیں اور آج بھی انڈین یونین مسلم لیگ اور مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد کی ہیں۔ آپ ان کے ساتھ کیوں نہیں ہو جاتے۔ نئی تحریک کی ضرورت کیا ہے۔

اقبال احمد شریف

ٹمنک گارڈن، ۱۰ جے نگر، بنگلور

اللہ قائد ملی پارلیامنٹ کی مدد کرے گا

"ملی ٹائمز" یکم تا ۱۶ فروری ۹۶ نظر نواز ہوا، جس میں پٹنہ اجلاس کی دردمندانہ روداد پڑھنے کو ملی محترم موصوف امت مسلمہ کو نظام کفر کی قہاریت یعنی قیادت و سیادت سے نجات دلانے کے لئے کوشاں ہیں۔ یہ جذبہ تو بڑا ہی صالحانہ اور مومنانہ ہے۔ ورنہ حق و باطل میں مصالحت مومنانہ فہم و فراست نہیں، بلکہ منافقانہ سیاست ہے!

(القرآن) اے پیغمبر اسلام! جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول مقبول کے دشمنوں سے محبت کرتے ہوئے ہرگز ہرگز نہ پائیں گے۔ خواہ وہ ان کے باپ دادا، بیٹے پوتے، بھائی بہن اور خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔۔۔۔ (مجادلہ)

واضح رہے کہ موجودہ نظام کو ہمارے سروں پر تھوپنے کے لئے اسلام کے نادان دوستوں کو ماضی میں آلہ کار بنایا گیا تھا۔ چنانچہ نظام کفر کی قیادت و سیادت کی حمایت و وکالت میں دلی کی جامع مسجد سے خطبہ بھی دیا گیا تھا۔ جس کا سخت نوٹس علامہ ڈاکٹر اقبال نے لیا تھا۔

ہر حال اب جبکہ قائد ملی پارلیامنٹ نے طاغوتی نظام کو ٹھکرا کر قرآنی نظام ربوبیت قائم کرنے کی ٹھانی ہے تو انشاء اللہ احکم الحاکمین کی ولایت و نصرت بھی حاصل رہے گی بشرطیکہ ہم اول و آخر مسلمان ہوں اور بس!

ایم۔ عظمت علی حیدر

تھانہ روڈ، مدھوپور (دیوگھر) بہار

قلم کی طاقت کا صحیح استعمال کریں

اللہ ملی ٹائمز کو تاقیامت زندہ رکھے۔ ایک ہزار روپے کا ڈرافٹ بھیج رہا ہوں مجھے خریدار بنالیجئے گستاخی معاف ہو۔ میں اپنی ایک رائے عرض کرنا چاہتا ہوں، چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور ہر مسلمان کی ذمہ داری اچھائی کی تعلیم اور برائی کو ختم کرنا ہے۔ توفیق دینا اللہ کا کام ہے۔ اللہ نے آپ کو قلم کی طاقت دی ہے اور آپ لکھنے کا کام کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دیگا۔ پورا رسالہ دنیاوی معلومات سے نہ بھرتے ہوئے کچھ دینی معلومات بھی رکھیں جو روزمرہ اور زندگی میں کامیابیوں کے لئے مددگار ثابت ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی نہ کوئی بات کسی نہ کسی کے دل میں اتر جائے اور آخرت میں نجات کا سبب بنے۔ کل قیامت میں اللہ نے پوچھا کہ قلم کی طاقت سے کیا تم نے دین کی تعلیم لوگوں تک پہنچائی تو آپ جواب دے سکیں۔

شاہ نواز۔ رائے گڑھ، مہاراشٹر

ہماری ایجنسیاں

بالیر بک ڈپو۔ نزد جامع مسجد۔ بالیر کوٹلہ (پنجاب)

شمع بک اسٹال۔ چوک کلاک ٹاور۔ الہ آباد۔ یوپی

انو بک اسٹال۔ گولہ روڈ۔ مظفر پور۔ بہار

انڈین نیوز ایجنسی۔ ۷۔ حمیدیہ روڈ۔ راج دوت ہوٹل بلڈنگ۔ بھوپال (ایم۔پی)

شالیمار نیوز ایجنسی۔ ہیڈ ماسٹر نیا مدرسہ رائچور۔ کرناٹک

محمد امین الدین۔ نیوز پیپر ایجنٹ۔ گلبرگہ۔ کرناٹک

جنرل حمید گل کی نئی پارٹی کیا گل کھلائے گی؟

کیا پاکستان میں اسلامی انقلاب کی کوششیں کامیاب ہو سکتی ہیں

افغانستان پر روسی قبضے کے دوران مجاہدین کے مختلف گروپوں کو متحد کر کے انہیں طاقتور روسی فوج کے خلاف کامیاب جدوجہد کرنے کے لائق بنانے میں جس شخص نے سب سے اہم اور انفرادی رول ادا کیا تھا وہ کوئی اور نہیں بلکہ انتہائی ذہانت اور فوجی مہارت کے حامل سابق جنرل حمید گل تھے ۔ حمید گل اس وقت آئی ایس آئی کے سربراہ اور مرحوم جنرل ضیاء الحق کے خاص معتمدین میں سے تھے۔ بلاشبہ افغان جہاد کی تاریخ میں ان کا نام سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔

افغان جہاد میں نمایاں رول ادا کرنے کی وجہ سے جنرل حمید گل پاکستان میں کافی مقبول ہیں۔ وہ اسلامی خیالات کے حامی اور انہیں بنیادوں پر پاکستان میں اسلامی انقلاب کے خواہاں ہیں ۔ فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد وہ پورے ملک میں دورے کر کے اسلامی بیداری کے لئے تقریریں کرتے رہتے ہیں ۔ ان کے اجتماعات میں کافی تعداد میں لوگ شرکت کرتے ہیں جن میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے ۔ گذشتہ دنوں وہ عمران خان کے ساتھ بھی ایک ہی پلیٹ فارم سے تقریریں کر چکے ہیں ۔ جماعت اسلامی کے زیر اثر تنظیم پاسبان نے بھی ان دو مختلف میدانوں کے پاکستانی ہیروز کے لئے اجتماعات کا انعقاد کیا ہے ۔ غالبا انہیں باتوں سے متاثر ہو کر حمید گل نے ایک نئی سیاسی پارٹی تشکیل دی ہے جس کا نام "اسلامی انقلابی پارٹی" ہے۔ اس پارٹی کے قیام سے قبل ایک ملی یکجہتی کونسل بھی قائم ہو چکی ہے جس میں یکساں اسلامی پروگرام کی حامل مگر باہمی اختلافات کی شکار مذہبی جماعتیں اس مقصد سے شامل ہوئی ہیں تاکہ ملک کی انتخابی سیاست میں اہم رول ادا کر سکیں ۔ حمید گل کی پارٹی کا مقصد مبینہ طور پر اسلامی انقلاب لانا ہے ۔ ان کے بقول ایسی اسلامی حکومت کا قیام ضروری ہے تاکہ کشمیر کو ہندوستان کے قبضے سے آزاد کرایا جاسکے ۔ یقینی طور پر جنرل حمید گل کشمیر سے متعلق عوام کے جذبات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

حمید گل کے پاکستان کی مذہبی جماعتوں سے ہمیشہ خوشگوار تعلقات رہے ہیں۔ چند سال قبل بے نظیر کے خلاف انہوں نے نواز شریف کی مسلم لیگ اور جماعت اسلامی سمیت کئی مذہبی جماعتوں کی مدد سے اسلامی جمہوری محاذ قائم کیا تھا جس نے انتخاب میں پیپلز پارٹی کو زبردست شکست دی تھی۔ لیکن اس وقت وہ آئی ایس آئی کے سربراہ تھے جس کی وجہ سے ان کے کافی اثرات تھے ۔ اب صورتحال بدل چکی ہے ۔ بہت سی مذہبی جماعتیں ان سے نالاں تو نہیں لیکن یہ کہہ کر نظر انداز کر رہی ہیں کہ وہ باتونی زیادہ اور عملی کم ہیں۔

یہ کہنا ابھی قبل از وقت ہو گا کہ حمید گل کی پارٹی کہاں تک کامیاب ہوتی ہے ۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بے نظیر مخالف طاقتوں میں اتحاد کی کمی ہے اگر پہلے ہی سے موجود مذہبی جماعتوں نے ملکر ایک جماعت ملی یکجہتی کونسل قائم کر لی تھی تو حمید گل کو اس سے علیحدہ ایک نئی پارٹی قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟ اور اگر عمران خان بھی میدان سیاست میں کودتے ہیں جس کی کافی امید ہے تو یکساں خیالات کے حامل افراد اور جماعتوں کے درمیان بہت ممکن ہے باہمی رسہ کشی بھی شروع ہو جائے ۔ لیکن اتنی بات طے ہے کہ حمید گل کی طرح عمران خان بھی کافی مقبول ہیں ۔ اگر یہ دونوں افراد مذہبی جماعتوں کے تعاون سے مشترکہ جدوجہد کریں تو بے نظیر کے خلاف ان کی کامیابی کے امکانات زیادہ روشن ہو جائیں گے۔ ●●

بقیہ: اسرائیل

اعظم، جنہیں آئندہ مئی میں عام انتخابات کا سامنا کرنا ہے نے پارلیمنٹ میں اپنی عادت کے برعکس، سخت لہجے میں ایک تقریر کی جس میں بقول ان کے دہشت گردوں کے خلاف جنگ جاری رہے گی۔ خود ان کے الفاظ تھے ۔ "ہم امن کے سلسلے کو روکیں گے نہیں، ہم اسے جاری رکھیں گے ۔ لیکن ہم دہشت گردوں پر، چاہے وہ جہاں بھی ہوں ان کے حملے کرنے سے پہلے اور بعد میں، کسی بھی وقت ان پر حملہ آور ہو سکتے ہیں ۔" پیریز نے حماس کو تہس نہس کر دینے کی قسم کھاتے ہوئے عرفات کو حکم دیا کہ وہ اس گروپ کو غیر مسلح کریں تاکہ امن کے تئیں ان کی وفاداری کا ثبوت مل سکے۔

پیریز کا موقف دراصل آئندہ انتخاب کی وجہ سے بہت سخت ہے ۔ انہیں خود بھی اندازہ ہے کہ حماس کو ختم کرنا آسان نہیں ہے ۔ لیکن اس اندیشے سے کہ اسرائیلی عوام کہیں لیبر پارٹی کو چھوڑ کر پیریز کے مخالفین کو ووٹ دیکر کامیاب نہ کر دیں، انہوں نے کافی سخت موقف اختیار کیا ہے۔

حماس کے حالیہ حملوں نے یاسر عرفات کے لئے بھی دشواریاں پیدا کر دی ہیں ۔ اگر وہ اسرائیل کا مطالبہ پورا کرتے ہوئے حماس کو ختم کرنے کی مہم شروع کرتے ہیں تو مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں خانہ جنگی شروع ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ حماس کو دونوں ہی مقامات پر کافی اثر و رسوخ حاصل ہے اور اگر وہ اسرائیلی مطالبہ پورا نہیں کرتے تو اسرائیل ۶۰ ہزار فلسطینی مزدوروں کو کام کے لئے اسرائیل میں داخل ہونے کی اجازت نہ دینے کے ساتھ فلسطینی تجارت کی راہ میں بھی رکاوٹ پیدا کرے گا جس سے عرفات کو یومیہ ۴ ملین ڈالر کا نقصان ہو گا۔ ظاہر ہے اس سے فلسطین میں مزید بے روزگاری بڑھے گی جو عرفات کے خلاف بے اطمینانی کو مزید فروغ دے گی۔ عرفات کے سامنے یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر وہ حماس کے خلاف کارروائی نہیں کرتے تو نہ صرف اسرائیل ان پر "دہشت گردوں" کے ساتھ نرمی برتنے کا الزام لگائے گا بلکہ اس کا مئی کے اسرائیلی انتخاب پر اثر پڑے گا ۔ اگر پیریز کے بجائے دائیں بازو کی پارٹیاں اسرائیل میں برسراقتدار آتی ہیں تو امن کا جاری سلسلہ سرد خانے میں ڈال دیا جائے گا ۔ مگر اسی کے ساتھ اگر عرفات حماس کے خلاف کوئی سخت کارروائی کرتے ہیں تو ان پر یہ الزام آئے گا کہ غاصب اسرائیل کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے وہ اپنے ان فلسطینی بھائیوں کا خاتمہ کر رہے ہیں جنہوں نے نظریاتی اختلاف کے باوجود آزادی فلسطین کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا ہے۔

حالیہ حملے کے لئے عرفات کے حامی اسرائیل کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں کہ اس نے یحیی ایاش کو قتل کر کے اس غیر سرکاری جنگ بندی کو خود ہی توڑا ہے۔ فلسطینی عام سیکورٹی کے ڈائرکٹر نے ایک بیان میں کہا ہے کہ "حماس کے ساتھ ہمارا تقریبا ایک معاہدہ طے پاچکا تھا کہ وہ اپنے حملے بند کر دیں ۔ ہم نے ایک حل بھی تلاش کر لیا تھا جس کے مطابق حماس خود کو ایک سیاسی پارٹی میں تبدیل کر لے گی جس کا ایک ہیڈ کوارٹر، ایک اخبار اور ترجمان ہو گا ۔ لیکن ایاش کے قتل نے سب پر پانی پھیر دیا ۔ لیکن صورتحال ایک بار پھر بدل سکتی ہے اگر اسرائیل حماس کے ساتھ معاہدہ کر کے تشدد کی لہر کو بند کرنے کی کوشش کرے۔"

اسرائیل جو اپنی آنکھ کے شہ تیر کو نہ دیکھکر دوسروں کی آنکھ میں تنکا تلاش کرنے اور اسی کے مطابق جارحانہ کارروائی کرنے کا عادی ہے تاکہ دوسروں کی زمین ہڑپ کر سکے اور احتجاج کرنے والوں کو قتل و غارتگری سے خاموش کر سکے، وہ ایسی کسی معمولی تجویز پر کیسے کان دھر سکتا ہے ۔ بالکل متوقع طور پر اسرائیل نے نہ صرف فلسطینی اتھارٹی کی تجویز بلکہ خود حماس کی جنگ بندی کی پیشکش کو ٹھکراتے ہوئے بقول اپنے "دہشت گردوں" کے خلاف کارروائی کرنے کا اعلان کیا ہے ۔ اس کا صاف اور واحد مطلب یہ ہے کہ مغربی ایشیا میں فلسطین کے محاذ پر خون خرابہ جاری رہے گا اور اس کی پوری ذمہ داری اسرائیل پر ہوگی۔

بقیہ ورلڈ کپ

آزما اتنگز دیکھنے کے بعد کمپیوٹر نے جو ہدایت دی تھی اس کے مطابق جنوبی افریقہ کے بالروں نے آتھرٹن کو سیدھی گیند ہی پھینکیں کیونکہ آتھرٹن ان گیندوں پر آگے پیچھے ہو کر ایکسٹرا کور اور اسکوائر لیگ پر ہی شاٹ کھیلتے ہیں نتیجہ میں جنوبی افریقہ کے بالروں نے اگلے ہی ٹسٹ میں آتھرٹن کو سیدھی مگر وکٹ سے ایک ایک فٹ باہر اور تھوڑی شارٹ آف لینتھ گیندیں پھینکنی شروع کر کے آتھرٹن کو ڈرائیو یا کٹ کرنے پر مجبور کر دیا ۔ کرونیے نے بھی اس حکمت عملی کے مطابق فیلڈ سجائی اور آتھرٹن افریقیوں کے جال میں پھنس گئے ۔ ایسے ہی وولمر نے گریم ہک کا ایک روزہ ریکارڈ کمپیوٹر میں ڈال کر ان کے بارے میں جانکاری حاصل کی جس سے معلوم ہوا کہ ہک ۹۰ فیصد شاٹ آف سائیڈ میں فلاں مقام پر کھیلتے ہیں اور چوکا مارنے کی ہی کوشش کرتے ہیں لہذا افریقیوں نے اسی انداز کی حکمت عملی اختیار کی اور ان کو ایسے ہی اسٹروک کھیلنے کے لیے اس قسم کی گیندیں ڈالیں کہ وہ شاٹ تو لگائیں لیکن گیند ہوا میں ہی فیلڈ کے اندر ہی گرے اور ابھی ہک نے ۱۹ بالوں پر صرف سات رنز ہی بنائے تھے کہ فاسٹ بالر فینی ڈی ویلیئر نے انہیں فل لینتھ کی بال کرائی جو سیدھی مڈ وکٹ میں کیچ کی شکل میں گئی۔

اب ایسی ٹیم جو مشین بن کر کھیلے اسے کون سی ٹیم شکست دے سکتی ہے ۔ جنوبی افریقہ صرف اسی صورت میں ہار سکتی ہے کہ میچ کے روز اس کے حریف کی قسمت اچھی ہو یا خود افریقی بلے باز ناکام ہو جائیں ۔ اگر جنوبی افریقہ نسل پرستی کے غرور سے بھی آزاد ہو جائے اور رنگ و نسل کی تفریق برتے بغیر ٹیم میں صرف صلاحیتوں کی بنیاد پر کھلاڑی شامل کیے جائیں تو ٹیم صدیوں تک کے لئے ناقابل تسخیر بن سکتی ہے ٹیم کا ایک واحد غیر سفید فام پال ایڈمز ہے جو اپنی صلاحیتوں اور بالنگ ایکشن سے حریفوں کے لئے درد سر بنا ہوا ہے اگر غیر سفید فاموں کے لئے بھی جنوبی افریقی ٹیم میں جگہ نکل آئے تو سینکڑوں پال ایڈمز دستیاب ہو سکتے ہیں۔

بقیہ: آنند مارگ

اس ضمن میں انہوں نے یہ دعوی بھی کیا تھا کہ پاکستان کے راستے سے آرہی ہتھیاروں کی ایک کھیپ بی ایس ایف نے پکڑ لی ہے ۔ مفتی سعید نے آنند مارگ کو انتہا پسند مذہبی، سیاسی تنظیم بتاتے ہوئے کہا تھا کہ حکومت اس تنظیم کی سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر ہے اور ایسے اقدامات کرتی رہے گی جس سے نہ صرف اس کی سرگرمیوں پر روک لگائی جاسکے بلکہ مجرموں کو قرار واقعی سزا بھی ملے۔

جنتا دل حکومت ہی نہیں موجودہ کانگریس حکومت بھی آنند مارگ کو انتہا پسند اور دہشت گرد تنظیم ہی تصور کرتی ہے ۔ ۱۹۹۴ء میں آنند مارگ نے نجیریا میں ایک سماجی تنظیم کے طور پر رجسٹریشن کے لئے درخواست دی تو انڈین ہائی کمیشن نے اس کی مخالفت کی ۔ اسی طرح اقوام متحدہ کی سماجی، ثقافتی اور معاشی کمیٹیوں میں بھی ہندوستان آنند مارگ کی مخالفت اس بنیاد پر کرتا رہا ہے کہ یہ ایک دہشت پسند تنظیم ہے ۔ آنند مارگ نے بعض ماتحت اداروں کی رکنیت حاصل کر لی لیکن ہندوستان کو اس پر سخت اعتراض ہے۔

لیکن ہندوستانی حکومت کی پالیسی کا دوسرا رخ کافی تعجب خیز ہے ۔ ۱۹۹۴ء میں وزیر داخلہ نے آنند مارگ کی ایک ذیلی تنظیم کی "سماجی سرگرمیوں" کے لئے اس کی تعریف کی۔ اس سے قبل ۱۹۹۴ء میں مہاراشٹر کے اس وقت کے وزیر اعلی شرد پوار نے بھی آنند مارگ کی ستائش کی تھی ۔ ایسے دوسرے کئی وزراء اسمبلی اسپیکر اور ضلع مجسٹریٹ ہیں جنہوں نے آنند مارگ کی سماجی تنظیم "امورٹ" کی تعریفیں کی ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ اگر آنند مارگ واقعی دہشت گرد ہے، جیسا کہ سی بی آئی کہتی ہے اور جیسا کہ غیر ممالک میں اس کے خلاف ہندوستانی سفارتخانوں کے رویے سے ثابت ہوتا ہے تو پھر ان وزراء اور افسروں کو اس کے بارے میں صحیح معلومات کیوں نہیں فراہم کی گئیں ۔ اس سے بھی زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ جب ۱۹۹۰ء میں جنتا دل حکومت کے وزیر داخلہ نے آنند مارگ کو دہشت گرد قرار دیا تھا تو پھر دو سال بعد کانگریسی حکومت کی وزارت داخلہ نے اسی تنظیم کو خصوصی مراعات کے ساتھ ۵ لاکھ ڈالر وصول کرنے کی اجازت کیسے دی ؟ دیکھنا یہ ہے کہ ان جلتے سوالوں کا جواب حکومت خود دیتی ہے یا سپریم کورٹ کسی عوامی مفاد کی نوٹس کی بنیاد پر اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

جے للتا کی سالگرہ پر عقیدت مندوں کی عجیب و غریب حرکتیں

کسی نے مٹی کھائی، تو کسی نے عریاں پوجا کی، کسی نے اپنے جسم کو چھیدا تو کسی نے اپنی موت کا سوانگ رچایا

خوشامد سیاسی کامیابیوں کا زینہ اور خوشامد پسندی سیاستدانوں کا طرہ امتیاز ہے۔ لیکن کبھی کبھی لوگ اپنے لیڈروں کی خوشامد اتنے گھٹیا اور سطحی انداز میں کرتے ہیں کہ دوسرے شرم سے پانی پانی ہوجاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ حاشیہ برداری میں دوسروں پر سبقت لے جانے کے مقابلے میں شعوری اور لاشعوری طور پر لوگ دوسروں کے جذبات کو مجروح کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اور انہیں اتنا بھی ہوش نہیں ہوتا کہ وہ غیر انسانی، غیر اخلاقی، غیر مذہبی اور غیر شریفانہ حرکتوں میں ملوث ہورہے ہیں۔

کچھ ایسا ہی منظر گذشتہ دنوں تمل ناڈو کی وزیر اعلی جے للتا کی ۴۸ ویں سالگرہ پر دیکھنے کو ملا۔ جب ان کے خوشامدیوں نے اخلاق و شائستگی کی تمام حدیں توڑ دیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو ذلیل اور وزیر اعلی کو مقدس ثابت کرنے کے لئے جو حرکتیں کیں وہ اپنی جگہ۔ لیکن ایک ایسی حرکت بھی ان سے سرزد ہوئی جو کسی بھی طرح قابل معافی نہیں ہے۔ لوکل ایڈمنسٹریشن منسٹر سلوا گن پتی نے اس موقع پر تمام روز نامہ اخبارات میں ایک صفحہ کا اشتہار شائع کروایا جس میں نعوذ باللہ جے للتا کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد بتایا گیا۔ انہیں کرشن اور عیسی مسیح کا اوتار
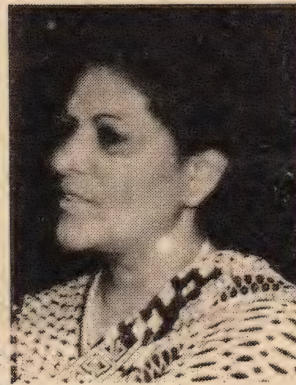
عقیدت منداپنے جبڑوں میں سلاخیں ڈالے ہوئے۔

بھی کہا گیا۔ اس اشتہار کے خلاف مقامی مسلمانوں نے زبردست رد عمل ظاہر کیا اور وزیر سے بلاشرط معافی مانگنے کا مطالبہ کیا۔ بہرحال وزیر نے معافی مانگ لی۔ لیکن حکمراں جماعت توہین رسالت کی مرتکب ہوگئی ہے۔ خوشامد میں گن پتی اتنا آگے نکل گئے کہ انہیں اسکا بھی احساس نہیں رہا کہ وہ اشتہار میں کون سی زبان استعمال کررہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ جے للتا کو دیویوں کی اوتار اور ہندو دیوتاؤں کا سایہ کہا جائے لیکن خوشامدیوں کو اسکا احساس ہونا چاہیے کہ وہ دوسرے مذاہب اور اس کے پیرووں کی توہین نہ کریں۔

خوشامد کی انتہا کرتے ہوئے "جے للتا پیراوائی" نامی ایک تنظیم کے ایک عہدیدار نے جے للتا کی طویل عمری اور انہیں ہمیشہ وزیر اعلی بنے رہنے کے لئے اپنی موت کا سوانگ رچا۔ وہ اپنے پیروں سے چلتا ہوا ارتھی پر لیٹ گیا اور اس کا بیٹا پنڈت کے ساتھ منتر پڑھتے ہوئے اپنے باپ کی ارتھی اٹھائے اور ایک ہاتھ میں چتا جلانے کے لئے آگ لیے ہوئے چینی اماں مندر تک گیا۔ جہاں پوجا کی گئی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایک مندر کے سامنے پوجا کے دوران کچھ لوگوں نے کیچڑ میں سنا کھانا زمین پر رکھ کر کھایا

ایک مندر میں خصوصی پوجا اس طرح کی گئی کہ مرد اور خواتین بے لباس ہوگئے ان کے جسم کے مخصوص اعضا نیم کی پتیوں سے ڈھکے ہوئے تھے

۔ کچھ عقیدت مندوں نے اپنے جبڑوں اور جسم کو چاندی کی سوئیوں اور سیخوں سے چھید ڈالا اور اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ کر رتھ یاترا نکالی۔ اس یاترا کی قیادت ہندو مذہب کے وزیر نے کی۔

چونکہ جے للتا کی عمر ۴۸ سال ہوگئی ہے اس لئے اس موقع پر عدد ۴۸ کا خاص اہتمام کیا گیا۔ ان کی پارٹی کی ۴۸ خواتین پیلی ساڑی پہن کر دودھ کے ۴۸ برتن اپنے سروں پر رکھ کر ۴۸ کلومیٹر چل کر ایک مندر میں پہنچیں۔ ۴۸ مندروں میں خصوصی پوجا ہوئی اور ۴۸ خواتین عقیدت مندوں کو زیورات کے تحائف دیے گئے۔ ایک وزیر ڈی جے کمار اور اس کے حامیوں نے ۴۸ افراد کو خون کا عطیہ دیا۔ اور ایک وزیر وی آر نیندون شیزیان نے ۴۸ اسکولی بچوں کو مفت کتاب، چاول، دھوتی اور ساڑی دی۔ ایک خاتون وزیر نے اس دن پیدا ہونے والی بچیوں کو چاندی کے پازیب دینے کا اعلان کیا۔ ایم جی راما چندرن کے گاؤں میں ۴۸ خواتین نے اپنے شوہروں کی طویل عمری کے لئے کی جانے والی خصوصی دعاؤں کا اہتمام جے للتا کے لئے کیا۔

ایک لیڈر جے للتا کا سجدہ کرتے ہوئے۔

گویا خوشامدیوں نے تمام حدیں توڑ دیں۔ اور ابھی تو یہ ۴۸ ویں سالگرہ تھی ذرا سوچئے کہ پچاسویں سالگرہ پر کیا کیا اہتمام نہ ہوگا اور حاشیہ بردار کیسی کیسی حرکتیں نہیں کریں گے۔ **

ایک دہشت گرد ہندو تنظیم پر سرکاری نوازشوں کی بارش کیوں؟

آنند مارگ کی عالمی دہشت پسندانہ سرگرمیوں پر ایک چشم کشا رپورٹ

آنند مارگ۔ بظاہر ایک سماجی تنظیم، جس کے ۱۶۰ ممالک میں آفس ہیں، ہندوستان میں ۱۹۷۰ء کی دہائی سے ایک دہشت گرد تنظیم کے طور پر دیکھی جارہی ہے۔ حکومت کے مختلف اداروں بشمول سی بی آئی اور بہت سے پولیس اسٹیشنوں کے مطابق آنند مارگی دہشت گردانہ سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ بارہا اس تنظیم کے لوگ گرفتار ہوئے ؛ کچھ چھوڑ دیے گئے اور بقیہ کو سزائیں ہوئیں۔ لیکن اس سب کے باوجود حکومت کے افسران، وزراء اور دوسرے سیاستداں مختلف مواقع پر اس تنظیم کی تعریف کرچکے ہیں ۱۹۹۰ء میں وزارت داخلہ نے پارلیمنٹ میں ایک بیان دیا تھا جس کے مطابق آنند مارگ ایک دہشت گرد تنظیم ہے۔ حکومت ایک مدت سے بین الاقوامی سطح پر بھی آنند مارگ کو ایک دہشت پسند تنظیم قرار دیتی آئی ہے لیکن اس سب کے باوجود اسی حکومت ہند نے اسے ان سات تنظیموں میں شامل کرر کھا ہے جنہیں غیر ممالک سے فنڈ لینے کی خصوصی اجازت حاصل ہے۔

آنند مارگ ایک انتہا پسند ہندو تنظیم ہے جس کا بنیادی مقصد ہندو احیا پسندی ہے۔ اس تنظیم کی کارکردگی خفیہ رکھی جاتی ہے۔ اس کی سماجی تنظیمیں، حکومت کے خفیہ اداروں کے مطابق دراصل اس کی حقیقی سرگرمیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ہیں۔ حال ہی میں اس تنظیم کا نام اخبارات کی شہ سرخیوں میں اس لئے نظر آیا کہ سی بی آئی کو شبہ ہے کہ دو ماہ قبل بنگال کے پرولیا ضلع کے بعض گاؤوں میں ہوائی جہاز سے جو

آنند مارگی اپنی گرفتاری کے وقت

ہتھیار گرائے گئے تھے وہ دراصل اسی تنظیم کے لیے تھے۔

تقریبا دو ڈھائی ماہ قبل رات کے وقت ایک ہوائی جہاز نے پرولیا میں ہتھیاروں کی کئی کھیپ گرائی تھی اس کی تحقیق سی بی آئی کو سونپی گئی تھی۔

سی بی آئی کی تحقیق کے بعد نہ صرف آنند مارگ کی دہشت گردیاں منظر عام پر آئیں بلکہ حکومت ہند کی دو رخی پالیسی بھی طشت از بام ہوگئی۔ خود حکومت کی خفیہ ایجنسیوں کے مطابق آنند مارگ ایک مدت سے انتہا پسندانہ سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ آسٹریلیا اور ہندوستان کے خفیہ اداروں کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۷۸ء میں اس تنظیم نے آسٹریلیا میں مرارجی ڈیسائی کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح نیوزی لینڈ میں ہندوستانی سفارتخانے اور اس کے عملے کے خلاف یہ تنظیم مختلف ناکام کارروائیاں کرچکی ہے۔ ۱۹۷۵ء میں اس نے سفارتخانے کی عمارت کو بم سے اڑانے اور اس کے کچھ دنوں بعد ہندوستانی ہائی کمشنر کو قتل کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اسی طرح، ۱۹۷۷ء میں اس تنظیم کے ممبروں نے لندن میں ہندوستان کے سفارتی عملے کے کئی افراد پر ناکام قاتلانہ حملے کئے۔ مارچ ۱۹۷۰ء میں اس تنظیم کے کارکنوں نے پٹنہ ریلوے اسٹیشن پر وزیر اعلی جیوتی باسو پر گولیاں چلائیں جن سے وہ خود تو بچ گئے لیکن علی امام نامی ایک شخص ہلاک ہوگیا۔

آنند مارگ کی کمیونسٹوں، خصوصا سی پی ایم سے کافی دشمنی ہے اور مغربی بنگال میں دونوں تنظیموں کے کارکنوں کے مابین آتشیں اسلحوں سے لڑائیاں ہوچکی ہیں۔ حکومت بنگال اس تنظیم کو دہشت گرد قرار دیتی ہے۔ مرکزی حکومت کا رویہ بھی یہی ہے۔ ۱۹۹۰ء میں اس وقت کے وزیر داخلہ مفتی محمد سعید نے آنند مارگ کی سرگرمیوں کے بارے میں پارلیمنٹ میں ایک بیان دیا تھا جس کے مطابق حکومت کو اطلاعات ملی تھیں کہ آنند مارگ نے بیرون ملک اپنے ممبروں کو ہدایت دی ہے کہ بعض پڑوسی ممالک کے راستے سے وہ ہتھیار سپلائی کریں۔

باقی صـ۱۳ـ پر

ملک کے موجودہ ابتر حالات میں صدر جمہوریہ پر زبردست ذمہ داری آن پڑی ہے

حکومت سے علیحدہ ماہرین پر مشتمل وزارتی کونسل کی تشکیل کی ضرورت ہے

تحریر: بی۔ جی۔ دیشمکھ

معاصر صحافت کے کالم میں ہم اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات وخیالات سے واقف ہوسکیں۔ (ادارہ)

ہندوستانی سیاسی منظر نامہ اتنا آلودہ ہوچکا ہے کہ بیشتر لوگ سوچنے لگے ہیں کہ اس ابتری سے کیسے نکلا جاسکتا ہے۔ یہ صورت حال ۱۹۹۳ میں برطانوی جریدے اکانوسٹ میں شائع ایک مضمون کی یاد دلاتی ہے جس میں اس وقت اٹلی کی سیاسی صورت جال کا جائزہ پیش کیا گیا تھا جو کچھ اس طرح تھا۔

"چالیس سال تک پرانے نظام نے ملک کی خدمت کی، سیاسی انتہاپسندی سے نجات دلائی اور اٹلی کو غربت کی کھائی سے نکال کر دنیا کی پانچویں معیشت کے مقام پر لا کھڑا کیا لیکن اصل کام ہوجانے کے بعد اس نظام کی خامیاں بدعنوانی اور منظم جرائم کی شکل میں سامنے آرہی ہیں اور پارلیمنٹ کے ایک چوتھائی ممبران نے مختلف جرائم میں ملوث ہوکر اسے بے وقار بنادیا ہے۔ ملک کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں کے مقامی سیاستداں سلاخوں کے پیچھے نہ ہوں یا ان کے خلاف کوئی تحقیق، جاری نہ ہو۔ بعض ایسے ہیں جنھوں نے اپنی جیبیں بھرلی ہیں اور ایسے بھی ہیں جو اندھا دھند اپنی پارٹی کو امیر بنائے جارہے ہیں۔ بعض کو دولت سے زیادہ ووٹ عزیز ہیں۔ روم اور اس کے باہر کے سیاستداں جیسے کسی مافیا سے ملے ہوئے ہیں۔ جرم کی اس لت میں صرف سیاست داں ہی نہیں بلکہ سول سرونٹس، تاجر اور پیشہ ور لوگ بھی مبتلا ہیں۔ یہ سب کر گذرنے میں کامیابی اس وجہ سے ہوئی کہ ملک سے وفاداری کو پس پشت ڈال کر پارٹی سے وفاداری کو انھوں نے اولیت دی تاکہ مختلف صورتوں میں ایک ہی طرح کے لوگوں کی حکومت چلتی رہے۔ کوئی بھی کام ہو خواہ بڑا یا معمولی اس کے لیے مقامی سیاستداں کی سفارش کافی ہے۔ اس بیماری میں تقریبا ساری ہی پارٹیاں گرفتار تھیں اس لئے نظام کو بدلنے کی زحمت کسی نے گوارا نہ کی۔"

اس پورے بیان میں اٹلی کی جگہ ہندوستان کو تصور کرلیا جائے تو تمام باتیں یہاں کی صورت حال پر پوری طرح صادق آتی ہیں۔ حوالہ کیس نے ملک کے سیاسی نظام کو ہلا دیا ہے۔ اس نظام میں سرایت کی ہوئی بدعنوانی ہی اہم پہلو نہیں ہے کیونکہ اس سے تو سب واقف ہوچکے ہیں اور جو بات کہتے ہوئے عوام آج تک ڈرتے اور جھجکتے تھے آج سرعام کہہ رہے ہیں۔ اس معاملہ کے دیگر تشویشناک پہلو بھی ہیں۔ نہ صرف غیر کانگریسی بلکہ کانگریسی سیاسی حلقوں سے شکایت آرہی ہے کہ سی بی آئی نے وزیر اعظم کے وقار کے تحفظ میں امتیازی رویہ اختیار کررکھا ہے اور یہ الزام بھی ہے کہ سی بی آئی وزیر اعظم پر لگائے گئے الزامات کی تحقیق کے سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کرے گا۔ اسی طرح بعض مجرمانہ معاملات میں بھی جس میں سیاستداں ماخوذ ہوں بیورو امتیازی طریقہ کار ہی روا رکھے گا۔ اقتصادی محاذ پر ریونیو کے خسارے کا مسئلہ سنگین تر ہوتا جارہا ہے جس کی وجہ آئندہ انتخابات پر نگاہ رکھتے ہوئے عوامی اقدامات ہیں۔ عام تاثر یہی مل رہا ہے۔ دیگر اہم شعبوں میں بھی حکومت کی حالت خراب ہے اور بظاہر مفلوج ہوکر رہ گئی ہے۔

اگر یہ ابتر صورت حال نہیں ہے تو ابتری کسے کہتے ہیں۔ ہم میں سے بیشتر افراد کا اعتماد سیاستدانوں پر سے اٹھ چکا ہے لیکن یہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تباہی سے بچنے کا طریقہ کیا ہوسکتا ہے اگر ہم پٹنائک فوجی نظام کی حمایت کرتے ہیں تو یہ انتخاب بیماری سے زیادہ مہلک ثابت ہوگا۔ یہ بھی ہماری سادہ لوحی ہوگی اگر ہم سوچیں کہ کسی نہ کسی طور پر طوفان سے نکل ہی جائیں گے۔ راقم السطور متبادل صورت کی طرف اشارہ کرنا چاہے گا۔

جس طرح آرٹیکل ۳۵۶ کے تحت صوبوں میں صدر راج کا التزام ہے ویسا کوئی قانون مرکز کے لئے دستور میں نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ صدر کو مشورے اور مدد دینے کی غرض سے آرٹیکل ۷۴، کی رو سے وزیر اعظم کے ساتھ ایک وزارتی کونسل کا وجود ضرور ہے۔ آرٹیکل ۷۵، کے تحت وزیر اعظم کا انتخاب صدر کرتا ہے اور جب تک صدر چاہے وہ اپنے عہدے پر باقی رہے گا اور دیگر وزراء کے ہمراہ لوک سبھا کے سامنے اجتماعی طور پر جواب دہ ہوگا۔ صدر کی مرضی کی تفہیم دستور کی دیگر دفعات کے مطابق اور اس کی روح کی روشنی میں کرنی پڑتی ہے گویا کہ صدر کو اپنے اختیارات کا استعمال دستور کے احکام اور ان کی روح کے مطابق کرنا ہوتا ہے۔ وزیر اعظم لوک سبھا کو جواب دہ ہونے کی حیثیت سے ایسے آدمی کو بنایا جاتا ہے جس پر ایوان کو اعتماد ہو۔ اس کے برعکس ایسا وزیر اعظم جو اتنا معتمد ہو اسے صدر اس کے عہدے سے ہٹا نہیں سکتا یہاں ۸۷۔ ۱۹۸۶ میں راجیو گاندھی ذیل سنگھ کے عہد صدارت میں وزارت عظمی کے منصب سے ہٹانے کے سلسلے میں اٹھنے والے تنازعے کی مثال دی جاسکتی ہے۔

لیکن موجودہ صورت حال میں ہونا یہ چاہئے کہ صدر جمہوریہ اپنے اختیارات کا استعمال دستور کے تحفظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کریں اس لئے صدر کے لئے مناسب یہی ہوگا کہ وہ ایک وزارتی کونسل تجویز کریں جو غیر سیاسی شخصیتوں پر مشتمل ہو اس سے عوام میں وہ اعتماد پیدا ہوگا جس کی توقع کسی وزارتی کونسل سے کی جاسکتی ہے۔

۱۔ سی بی آئی سے کہا جائے کہ حوالہ کیس میں ملوث ہونے کا جن لوگوں پر بھی شبہ ہو یا جو کسی اور جرم میں ماخوذ ہوں تو بے دھڑک ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔

۲۔ عوام کے مفاد میں مالی اور مادی ہر طرح کے اقتصادی اقدامات کیے جائیں۔ یہ کام مشکل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ نئی وزارتی کونسل محض ووٹ بٹورنے کی غرض سے کیے گئے عوامی اقدامات کی طرف سے فکرمند بھی نہیں ہوگی

۳۔ ایک آرڈی نینس پاس کرکے فوری سطح پر انتخاباتی اصلاحات کی جاسکتی ہیں۔

مذکورہ بالا صورت حال کے خلاف یہی دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ صدر کی جانب سے وزیر اعظم کو ہٹاکر غیر سیاسی ماہرین پر مشتمل وزارتی کونسل بنانے کا اقدام غیر آئینی ہوگا۔ اس کا جواب حسب ذیل ہے:

نئی وزارتی کونسل ایک مختصر عرصے کے لئے ہی ہوگی یعنی کہ حد سے حد جولائی ۱۹۹۶ میں لوک سبھا کے انتخابات ہونے تک اور اس کا مقصد یہ یقینی بنانا ہے کہ انتخابات خوشگوار اور صاف ستھرے ماحول میں ہوجائیں۔ اس طرح حوالہ کیس سے پیدا شدہ تکدر کو ختم کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ ایسے کسی صدارتی فیصلے کا عوام کی طرف سے خیر مقدم ہوگا کیونکہ اس سے تمام پارٹیوں کو انتخابات میں یکساں سطح پر شرکت کا موقع ملے گا کیونکہ حکمراں پارٹی کوئی ہوگی نہیں لہذا دفتری سہولتوں مثلاً گاڑی، کارندوں، ریڈیو اور دور درشن پر تشہیر وغیرہ کا بیجا استعمال بھی نہیں ہوگا۔ میرے خیال میں اس متبادل صورت حال پر فوری غور و خوض شروع ہوتے ہی سیاستدانوں پر اتنا اثر ضرور پڑے گا کہ وہ اپنے طرز عمل میں بہتری لانے پر مجبور ہوں گے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

* *

بقیہ: آڈوانی کی یاترا

دائرے میں لانے کی کوشش کی تھی لیکن اب جبکہ اس کا اپنا ایم پی انہیں "ملک دشمنوں" اور "غداروں" کو پناہ دینے کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو بی جے پی کے لیڈران کس منہ سے ملکی تحفظ کی بات کررہے ہیں اور ان کے ہاتھوں ملک کیسے سلامت رہ سکتا ہے۔ جو ملک دشمنوں کو پناہ دے رہے ہوں وہ ملک کو انہیں کے ہاتھ فروخت نہیں کریں گے یہ کیسے یقین کرلیا جائے۔ بی جے پی نے سماجی ہم آہنگی اور سودیشی کا بھی نعرہ دیا ہے۔ لیکن بی جے پی کے ذریعہ بوئے گئے سادات کے بیج اور کاٹی گئی نفرت کی فصل کے درمیان ان دونوں نعروں کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ وہ سودیشی کی بات کرتی ہے اور ممبئی میں انرون پروجیکٹ کو اس کی شریک پارٹی پاس کردیتی ہے اور اس کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا سودیشی کا نعرہ لگانے والی پارٹی ایک ایسی پارٹی کے ساتھ حکومت میں شریک بنی رہتی ہے جو سودیشی کا قتل کرکے بدیشی کمپنی کو لائسنس دیتی ہے۔ پھر بھی وہ نعرہ سودیشی کا لگاتی ہے۔ کتنی مضحکہ خیز کیفیت سے گذر رہے ہیں بی جے پی کے لیڈران۔

ویسے بھی آڈوانی کی یہ یاترا بری طرح پٹ جانے والی ہے۔ ۹۰ء کی خونیں یاترا کے بعد کیا کوئی یاترا کامیاب ہوئی ہے۔ جوشی کی ایکتا یاترا نے پانی مانگ لیا تھا اور ابھی پچھلے دنوں نکلنے والی وشوہندو پریشد کی ایکاتمتا یاترا بے موت مرگئی تھی۔ کیا آڈوانی کی یہ یاترا کوئی تماشہ دکھا پائے گی اس کا امکان ہی نہیں ہے۔ *

اچھے دوست غذا، دوا اور ہوا کی مانند ہیں کہ ان کے بغیر زندگی ادھوری ہے

”نماز میں دونوں جانب بُرے لوگ ہوں تو میں صرف داہنی طرف سلام پھیرنا پسند کروں گا“

تحریر: یس احمد

کہا جاتا ہے کہ انسان پر اس کی صحبت کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اگر وہ نیک اور شریف لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے تو اس کا فائدہ اسے پہنچتا ہے اور خراب اور غیر ذمہ دار افراد کی صحبت اختیار کرتا ہے تو اس کے برے نقصانات سے بچ نہیں سکتا۔ اس فائدے اور نقصان میں وہ دونوں اعتبارات سے شریک ہوتا ہے دنیاوی پہلو سے بھی اور اخروی اعتبار سے بھی۔ آنکھوں دیکھی ایک مثال ایک ایسے نوجوان کی ہے جو اپنے والد کی برسوں سے جمی جمائی تجارت میں ہاتھ بٹاتا تھا لیکن آرام طلبی اور تضیع اوقات کا سبب بننے والے کھیلوں میں زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔ ان کی کمپنی کو ملا ہوا سرکاری ٹھیکہ محض اس وجہ سے ہاتھ سے نکل گیا کہ جب ٹنڈر کھلنے کے بعد متعلقہ کارروائی مکمل ہونے کی تاریخ آئی تو بیٹا مقررہ جگہ پر اس لئے نہیں پہنچ سکا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا جنھوں نے اسے نہیں چھوڑا۔ اگر ان میں سے کسی میں بھی ذمہ داری کا احساس ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

> اگر نماز پڑھتے ہوئے آپ کے دائیں جانب کوئی مفسد ہو اور بائیں جانب ویسا ہی بد کردار شخص تو آپ کیا کریں گے۔ ان بزرگ نے کہا کہ میں صرف داہنی طرف یعنی ایک ہی سلام پھیرنے پر اکتفا کروں گا۔

اسی طرح عام مشاہدہ ہے کہ جو والدین اپنے بچوں کی تربیت کی ذمہ داری اسکولوں پر چھوڑ دیتے ہیں بڑے خسارے میں رہتے ہیں۔ اسکول میں تو تعلیم ہوتی ہے تربیت گھر میں ہوگی۔ جو بچے مطالعے یا نماز کے وقت ماں باپ کی تساہلی اور ضد کی وجہ سے نکل بھاگتے ہیں وہ خراب عادتیں سیکھ کر ہی لوٹتے ہیں الایہ کہ ان پر اس دوران بھی کڑی نظر رکھی جائے۔

ابو موسی اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ نیک اور خراب ساتھی عطر فروش اور لوہار کی طرح ہیں۔ عطر فروش سے چاہے آپ عطر نہ خریدیں اور اس کے قریب بیٹھیں تو بھی خوشبو آپ کے کپڑوں میں بس جائے گی۔ لوہار جس کا وقت دھونکنی کرنے میں گذرتا ہے اس کے یہاں بیٹھنے میں کپڑوں کے جلنے کا بھی ڈر ہے اور لوہے اور کوئلے کی بو کے سوا اور کچھ نہ ملے گا۔ اس لئے اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ برے دوست ناقابل علاج اور زہر قاتل ہیں جو دلوں میں فساد پیدا کرکے اور انسان کو بھلائی کے راستے سے بہکا کر برائی کی راہ پر لگاتے ہیں۔

جی ہاں ہم بہتر دوستوں کی تلاش میں ہیں

اسی صحبت بد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو آپ کی دعوت اسلام پر لبیک نہیں کہنے دیا ہر چند کہ ان کا سلوک رسول اللہ کے ساتھ حد درجہ کریمانہ اور مشفقانہ تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔

صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ ابو طالب کی جاں کنی کی حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اس وقت ابو جہل اور عبداللہ بن عمران کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور فرمایا کہ اے چچا کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیجئے۔ ابو طالب قریب تھے کہ کلمہ پڑھ لیں لیکن جیسا کہ بد طینت دوست انسان کا ہر جگہ پیچھا کرتے رہتے ہیں، ابو جہل نے ابو طالب سے کہا "کیا تم چاہتے ہو کہ عبدالمطلب کے علاوہ کسی اور کی ملت میں شامل ہو جاؤ۔" ابو طالب کے منہ سے جو آخری جملہ ادا ہوا وہ یہی تھا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہیں۔

اس سلسلے میں نوجوانوں کے طرز عمل کی طرف توجہ دینے کی خاص ضرورت ہے کیونکہ ہوتا یہ ہے کہ اگر کوئی نوجوان بری عادتوں سے تائب ہو بھی جاتا ہے تو اس کے ساتھیوں میں سے دیگر لوگ اسے گناہ کی طرف کھینچنے کی پوری کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس کے انکار پر دھمکی دیتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اس کی پول کھول کر اسے بے عزت کریں گے گویا کہ راہ راست پر آئے ہوئے شخص کو گناہ کی طرف واپس لے جانے کی غرض سے بلیک میل کیا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں تائب ہونے والے نوجوان کو اخلاقی مدد کی ضرورت ہوتی ہے جو افسوس کہ عموماً مل نہیں پاتی۔

علامہ ان قیم نے اچھے دوست کی کئی قسمیں

باقی صفحہ ۸ پر

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

نیل پالش پر وضو نامکمل رہتا ہے ہیئر ڈائی پر نہیں

سوال:— کیا یہ بات صحیح ہے کہ وضو کرتے وقت اگر کوئی شخص ریشمی موزوں پر مسح کرے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ایم۔ کے۔ حنیفہ

جواب:— اگر کوئی مرد خالص ریشمی موزے استعمال کرتا ہے تو اسے جاننا چاہیے کہ ریشمی لباس پہننے سے مردوں کو منع کیا گیا ہے اور نافرمانی کے ارتکاب کی حالت میں کوئی شخص اللہ کے حضور میں کیسے پیش ہو سکتا ہے یہ کہنے کے لئے کہ "اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔" یہ بات اس مثال سے سمجھی جا سکتی ہے کہ اگر آپ کو معلوم ہو کہ آپ کے پڑوسی کو کسی بات یا کسی چیز سے الجھن ہوتی ہے تو آپ اس کے سامنے وہ بات نہیں کہیں گے اور نہ ہی وہ چیز لے کر اس سے ملنے جائیں گے۔ ایسا کرنے کی صورت میں آپ پر بد تہذیبی کا الزام آئے گا۔ جب اللہ کی طرف سے مردوں کے لئے ریشمی لباس کا استعمال ممنوع ٹھہرا تو کیا کوئی شخص اتنی بے صبری کا مظاہرہ کر سکتا ہے کہ انھیں پہن کر نماز پڑھے۔ ریشمی لباس کو بعض ایسے مخصوص حالات میں ہی جائز قرار دیا جا سکتا ہے جب طبی اعتبار سے یہ طے ہو جائے کہ کسی شخص کے جسم کو اس کے علاوہ کسی اور نوع کا لباس راس ہی نہیں آتا۔

اس کے برعکس اسلام میں یہ بھی ہے کہ کوئی چیز ایک صنف کے لیے ممنوع ہے تو دوسری کے لئے جائز و مسموح۔ عورتوں کو ریشمی کپڑے اور موزے پہننے کی عام اجازت ہے۔ ریشمی اسٹاکنگ پہننے والی خواتین کو اجازت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اس کے اوپر مسح کر سکتی ہیں۔ ان کا وضو بھی نہیں ٹوٹے گا اور ان کی نماز بھی مقبول ہوگی۔

سوال:— اگر کوئی عورت نیل پالش یا ہیر ڈائی جیسی آرائشی اشیاء استعمال کرتی ہے تو کیا اس سے نماز میں کوئی فرق واقع ہوگا۔

جواب:— عام طور پر نیل پالش کسی واٹر پروف مادے سے بنایا جاتا ہے جو جلد کے اندر پانی کے نفوذ کو روکتا ہے۔ اس کی وجہ سے وضو نامکمل رہتا ہے اور یہ بھی کہ نیل پالش لگانے والی خواتین پورا ہاتھ نہیں دھوتیں جب کہ یہ وضو کے لوازم میں ہے۔ ہیر ڈائی کی نوعیت نیل پالش سے مختلف ہے کیونکہ اس میں کوئی خارجی چکناہٹ نہیں بنتی، جو پانی کی سرایت میں رکاوٹ ڈالے۔ جب کوئی عورت ہیر ڈائی لگا کر سر دھوتی ہے تو پانی کا اثر بالوں کے اندر تک ہوتا ہے اور نیا رنگ بالوں پر سے چھوٹتا بھی نہیں۔ اس لیے ہیر ڈائی کے استعمال سے وضو یا نماز میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا۔

سوال:— ایک مسلمان جو کسی غیر مسلم ملک میں سپر مارکیٹ چلانا چاہتا ہے الجھن کا شکار ہے۔ اگر وہ اپنے مارکیٹ میں الکحل سے تیار شدہ مشروبات اور خنزیر کا گوشت نہیں رکھتا تو اس کی تجارت متاثر ہوتی ہے اور اس کے گاہکوں کا رخ تجارتی حریفوں کی دوکان کی طرف ہو جائے گا۔ کیا اس مشکل پر قابو پانے کے لئے وہ یہ کر سکتا ہے کہ سپر مارکیٹ کا وہ حصہ جو مذکورہ مصنوعات پر مشتمل ہے وہ کسی غیر مسلم کے حوالے کرکے تجارت میں اسے اپنا شریک بنا لے اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ دونوں طرح کی تجارتیں ایک دوسرے سے بالکل الگ رہیں گی

جواب:— اسلام کے ضابطہ حیات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی عمل کے آغاز سے قبل مسلمان یہ سمجھ لے کہ وہ اسلام میں جائز ہے یا نہیں۔ اس زمانے میں ذاتی تجارت کرنے والے بہت سے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال ہے کہ ان کی مقامی تجارت بعض حرام اشیاء کی موجودگی کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوگی اور وہ تجارتی مقابلے میں ٹک نہیں سکیں گے۔ یہ سوال غیر مسلم حضرات کو بھی عجیب سا لگے گا جن کے نزدیک مذہب کا تجارت، ملازمت یا کسی پیشے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن جب ہم کسی ضابطہ حیات کی بات کرتے ہیں تو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس کا میدان کار تو خود انسانی زندگی ہی فراہم کرے گی۔

سائل کو یہ جان کر شاید مایوسی ہو کہ الکحل کے مشروبات یا خنزیر کا گوشت بیچنے کی غرض سے اپنی تجارت میں کسی غیر مسلم کو شریک کرنا یا دوکان کا حصہ کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی کے پاس مکان ہے تو وہ کرائے پر کسی کو بھی دے سکتا ہے چاہے اس کا مذہب کچھ بھی ہو۔ تاہم اگر مالک مکان کے علم میں یہ ہو کہ کرایہ دار اس کے مکان میں شراب کشید کرکے مسلمانوں کو بھی پلائے گا تو یہ کرایہ داری کا معاملہ جائز نہیں سمجھا جائے گا۔ اگر کرایہ نامہ میں مقصد کرایہ داری کے تحت رہائش مذکور ہے اور کرایہ دار اس گھر میں کوئی غیر اسلامی عمل کرتا ہے تو اس کی ذمہ داری مالک مکان پر عائد نہیں ہوگی۔ سائل کی مذکورہ تجویز کی یہی نوعیت ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے یہ طریقہ کار قابل قبول نہیں۔

●●

دانتوں سے محروم افراد کے لئے مسکراہٹ کی نوید

اب آپ کے مصنوعی دانت حقیقی دانتوں کے اچھے ہمسفر ثابت ہوں گے

دانتوں کی بیماریوں اور سڑے گلے دانتوں سے پیدا شدہ پریشانیوں کا ایک تیر بہدف طریقہ جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے۔ یہ طریقہ جو BenchmarkSystem پر مبنی ہے ان لوگوں کے لئے خاص طور پر مسکراہٹ کی نوید لائے گا جنھیں دانتوں کے گلنے کا عارضہ لاحق ہو۔ اس میدان میں تحقیق کئی دہائیوں سے جاری ہے۔ سویڈن کے ایک سائنس داں انگور برین مارک نے ۱۹۵۲ میں دوران خون پر تحقیق کے دوران یہ دیکھا کہ ایک خرگوش کی ٹانگ میں لگایا ہوا ٹی ٹی نیم مائیکرو اسکوپ کچھ دنوں کے بعد اپنی جگہ پر نہیں پایا گیا یعنی کہ وہ اس کی ٹانگ کا حصہ بن گیا۔ یہیں سے اوسوانٹگریشن کی راہ محققین کو دکھائی دے گئی۔

اس تصور سے اس وقت تحقیق و مطالعے کے مختلف شعبوں میں کام لیا جارہا ہے مثلاً میکینکل انجینئرنگ، بایومٹیریل سائنس اور دندان سازی۔ مؤخر الذکر میدان میں مصروف کار ڈاکٹروں نے ٹی ٹی نیم سے ایسے دانت تیار کیے ہیں جس پر ایک مادے کی کوٹنگ ہوتی ہے جو دانتوں میں شامل قدرتی مادوں میں نمایاں ترین حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کام جادو پور یونیورسٹی کے اسکول آف بایوسائنس اینڈ انجینئرنگ میں ہوا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ دانت گرنے اور گلنے کا عارضہ کسی صدمے مہلک بیماری یا ضعیف العمری کی بنیاد پر عموماً لاحق ہوتا ہے اور اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے کئی طریقے رائج ہیں جن میں سے ایک Prosthetic دانتوں کا استعمال ہے۔ تاہم اس طرح کا کوئی متبادل عام زندگی کی ضروریات اور ان کی پیچیدگیوں کے پیش نظر اطمینان بخش ثابت نہیں ہوسکا ہے۔

گلے ہوئے دانتوں کی جگہ یہ نئے دانت لگوایئے اور ان حضرت کی طرح خوش ہوجایئے

عام طور پر ٹوٹے یا گرے ہوئے دانت کی جگہ دوسرا دانت دو طریقوں سے لگایا جاتا ہے پہلے طریقہ کے تحت خراب دانت سے متصل دو صحت مند دانتوں کے سہارے مصنوعی دانت کو فٹ کرکے تار سے باندھ دیا جاتا ہے۔ دوسرے طریقے میں Prosthetic کو Push and Fit طریقے سے لگایا جاتا ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں یہ طریقہ بالکل ٹھیک لگتا ہے لیکن پہلے طریقے سے لگائے گئے دانتوں کی طرح یہ دانت بھی اپنی کارکردگی کے اعتبار سے قدرتی دانتوں کے مقابلے میں پیچھے ہی رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی احتیاط بہت کرنی ہوتی ہے مثلاً کاٹنے، چبانے کے عمل میں خاص طور پر ان کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ ان تمام دشواریوں کو دور کرنے کے لیے بایو مٹیریل سائنس، انجنیئرنگ اور امراض دندان کے ماہرین کی ایک جماعت نے HAP کی کوٹنگ والا اسکرو تیار کیا ہے جو انسانی جبڑوں سے اتصال اور اس میں حل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ HAP دراصل کیلشیم فاسفورس اور فلورائڈ کا مرکب ہے جو لیبارٹری میں دودھ پلانے والے جانوروں کی ہڈی اور انسانی دانتوں سے نکالا جاتا ہے۔

اس طرح تیار ہونے والے Hap کو بارہ گھنٹوں تک کیمیائی عمل سے گذار کر پروٹین سے پاک اور ڈسٹلڈ واٹر سے دھوکر صاف بھی کیا جاتا ہے کہ اس کا کوئی ردعمل نہ ہو۔ اب اس سمپل کو ۸۰۰ سے ۱۰۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر گرم کیا جائے تو ذرات کی شکل میں Hap حاصل ہوتا ہے یہی ذرات پلازما کوٹنگ میں کام آتے ہیں۔ اس کے بعد ٹی ٹی نیم کی طاقت اور لچک کو ناپنے کے لئے بھی ٹیسٹ کیے جاتے ہیں۔ ٹی ٹی نیم کی چھڑوں جنھیں ٹی ٹی۔ ۱۲ کا نام دیا گیا ہے اسکرو کے اوپری سرے میں پھنستے ہیں۔ انسانی جبڑے میں جب یہ اسکرو لگائے جاتے ہیں تو ان کا ردعمل C Hap ہوتا ہے اور اوپری کوٹنگ اور اس کی نچلی تہہ کے درمیان ایک کیمیائی ربط پیدا ہوتا ہے۔ اسکرو پر Hap کی کوٹنگ Ossointegration کے عمل میں مدد دے کر دانت کو صحیح مقام پر بٹھادیتا ہے۔ اب تک کی تحقیق میں ٹی ٹی نیم امپلانٹ پہلی چیز ہے جو جسم کے اندر زہریلے اثرات نہیں پیدا کرتی۔ ایک بار جب امپلانٹ تیار ہوجاتا ہے تو وہ جگہ جہاں اسے لگانا مقصود ہو ریڈیو گرافی کے ذریعے اس کی جانچ کی جاتی ہے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کیا وہ Implantation کے لیے موزوں ہے۔ مقامی Anaesthesia کے ذریعہ خاص طور پر وضع کردہ ڈرل ٹی ٹی نیم اسکرو متعینہ جگہ پر لگانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ امپلانٹ لگنے کے کچھ دنوں تک وقفے وقفے سے طبی معائنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ٹی ٹی نیم اسکرو سر دست خاصے مہنگے ہیں لیکن جب ان کی تیاری بڑے پیمانے پر ہونے لگے گی تو قیمت میں دس گنا کمی واقع ہوسکتی ہے۔

* *

ملیریا کے بڑھتے قدم کو روکنے کے لئے عالمی طبی ماہرین کی قابل ذکر کاوشیں

افریقہ میں زیر تجربہ ملیریا کی ایک نئی دوا کی ظاہری کامیابی نے اس قدیم مرض کے علاج کے لیے نئی دواؤں کی ترقی و تیاری سے متعلق امیدوں اور مطلوبہ احتیاطی تدابیر کے تصورات کا دائرہ وسیع کردیا ہے۔

لانسٹ جریدے میں کامیرون میں مصروف مطالعہ محققین کی طرف سے شائع ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جن چالیس مریضوں کو تجرباتی دوا استعمال کرائی گئی وہ سب شفایاب ہوگئے۔ اس دوا کا نام ہے Pyronaridine۔ یہ سارے ہی مریض ملیریا کی خطرناک ترین قسم میں مبتلا تھے۔ اس کے برعکس جن مریضوں کو عام طور پر استعمال ہونے والی دوا کلوروکوئین دی گئی ان میں شفایابی کی شرح ۴۴ فیصد ہی رہی۔

نئی ملیریا شکن دواؤں کی ضرورت ہمیشہ اس لئے باقی رہتی ہے کہ ملیریا کا سبب بننے والے، ذیلی جراثیم میں بڑی تیزی سے دواؤں کے مقابل قوت مدافعت پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام دوا کلوروکوئین افریقہ اور ایشیا جیسے علاقوں میں اب اپنا اثر کھوچکی ہے۔ اس سے بھی پرانی دوا کونین کئی علاقوں میں آج بھی رائج ہے لیکن اس کی قیمت اور بدمزگی کی بناء پر مریض بیچ میں ہی چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ بات یہ بھی ہے کہ کوئی مؤثر ٹیکہ ایجاد نہیں ہوسکا ہے۔ انجام کار مریضوں کو طبی سائنس کی محدود کامیابی کا شکوہ رہتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ملیریا کے ۳۰۰ ملین کیس ہر سال آتے ہیں جن میں سے آدھے سے زیادہ مریض صحت یاب ہونے کے بجائے دم توڑ دیتے ہیں۔ ۹۰ فیصد مریضوں کی تعداد کا تعلق صرف ایک براعظم افریقہ سے ہے اور اس میں سب سے زیادہ موت کا شکار ہونے والے بچے ہوتے ہیں۔

> اندازے کے مطابق ملیریا کے ۳۰۰ ملین کیس ہر سال آتے ہیں جن میں سے آدھے سے زیادہ مریض صحت یاب ہونے کے بجائے دم توڑ دیتے ہیں۔ ۹۰ فیصد مریضوں کی تعداد کا تعلق صرف ایک براعظم افریقہ سے ہے اور اس میں سب سے زیادہ موت کا شکار ہونے والے بچے ہوتے ہیں۔

اس پس منظر میں پایورونارڈین کی یہ شاندار کامیابی واقعی جشن منانے کے قابل ہے اور محققین کی متفقہ رائے یہی ہے کہ یہ دوا مؤثر ترین ثابت ہوسکتی ہے تاہم احتیاط پسندی کا دامن چھوڑنا نہیں چاہیے اور اس جہت میں مزید مطالعے کی ضرورت باقی رہے گی۔ اس احتیاط کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پایورونارڈین کی مثبت خصوصیت کے علاوہ ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہوسکا ہے۔ پہلی بار ۱۹۷۱ء میں ملیریا کے علاج کے لئے چین میں اس کی دریافت کی گئی تھی لیکن وہاں اب تک صرف ایک ہزار مریضوں کو یہ دوا دی گئی ہے اور چین سے باہر اس دوا پر کوئی اور تجربہ بھی نہیں ہوا تھا۔ عالمی تنظیم صحت کی ایک کمیٹی جو اس دوا پر مزید تحقیقات کی حوصلہ افزائی کررہی ہے اس کے سربراہ کے مطابق وہ ابھی ملیریا کے علاج کے لیے یہ دوا تجویز کرنے میں پس و پیش سے کام لے رہے ہیں کیونکہ اس کے بعض نقصانات ہوسکتے ہیں۔

کمیٹی کے سربراہ نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ اس دوا کو مختلف عمروں کے مریضوں پر آزمانے کی ضرورت ہے خصوصاً ان کے ٹاکسک اثرات کو دیکھنے کی خاطر کیونکہ دیگر دواؤں سے کیمیائی مشابہت کی بنا پر یہ دوا خون اور جگر کے فعل کو متاثر کرنے کا امکان رکھتی ہے۔

ایک اور اہم بات یہ بھی دیکھنا ہے کہ حاملہ عورتوں پر اس دوا کا کیا اثر ہوتا ہے اور یہ سارے کام امید ہے کہ اس صدی کے اختتام تک ہوجائیں گے۔ دوا ساز کمپنیاں عموماً دواؤں پر کی جانے والی تحقیقات کی کفالت انہیں بازار میں لانے کی غرض سے کرتی ہیں اور منافع کی شرح اتنی نہیں ہوتی کہ وہ رقم بھی اس سے نکل آئے یہی وجہ ہے کہ اب تک اس دوا کے مثبت و منفی امکانات پوری طرح سامنے نہ آسکے کیونکہ ایک محقق کے مطابق ملیریا میں مبتلا ہونے والے زیادہ افراد جو تاخریدنے کی بھی سکت نہیں رکھتے

حال ہی میں بازار میں آنے والی دو دوائیں جن میں Mefloquine شامل ہے ایسی ہیں جو افریقہ کا سفر کرنے والے امریکنوں کو تجویز کی گئی ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ امریکی فوج نے اس دوا کے تفصیلی مطالعے میں پوری طرح دلچسپی لی کیونکہ باہر تعینات فوج کی حفاظت مقصود تھی۔ اس کے برعکس چین میں تیار شدہ دوا پر کوئی تفصیلی تحقیق ابھی تک نہیں ہوئی۔

*

کیا ہندو خواتین کے حقوق سے منہ پھٹ اور فرقہ پرست عورتوں کا کوئی تعلق ہے

ایک فکر انگیز مجموعہ جو ہندو حقوق کی پر تشدد تاریخ سے بحث کرتا ہے

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہو گا۔

نام کتاب:۔ ویمن اینڈ دی ہندو رائٹ
مرتب:۔ تانیکا سرکار اور اروشی بٹالیا
ناشر:۔ کالی فار ویمن
صفحات:۔ ۳۳۰، قیمت:۔ تین سو روپے
مبصر:۔ آلوک رائے

ہندو حقوق کا خواتین سے گہرا تعلق ہے۔ پچھلے دنوں ایسی رپورٹیں آئیں کہ راجستھان میں بی جے پی کے بعض ممبران اسمبلی نے مقامی مردوں کی ایک میٹنگ بھنوری دیوی کو خاموش کرانے کے سلسلے میں بلائی تھی۔ چند برس ہوئے کہ بی جے پی نے روایت اور تہذیبی افتخار کے نام پر دیورالا میں ستی کے مظاہرے کو حق بجانب قرار دیا تھا۔ یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ جو لوگ فرقہ وارانہ فسادات کے دوران عصمت دری اور دیگر اقسام کے تشدد کی سرپرستی کرتے ہیں اور جس کی یادیں سورت میں عصمت دری کے ویڈیو ٹیپ کی شکل میں ہمارے ذہنوں میں آج بھی محفوظ ہیں وہی مسلم خواتین کو یکساں سول کوڈ کے تحت حق و انصاف دلانے پر کمر بستہ ہیں

ایسا نہیں ہے کہ ہندو حقوق کے منشور سے صرف خواتین کو ہی فائدہ پہنچنے والا ہے۔ اس منشور کی نمائندگی اور قیادت بیشتر خواتین کے ایک نمایاں غول سے ہوتی ہے جس میں راج ماتا سندھیا، اوما بھارتی اور منہ پھٹ رتھمبرا خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور اسی لئے اس مجموعہ مضامین کی پذیرائی ہونی چاہیے۔

زیر نظر کتاب میں ہندو مضامین کے ساتھ ساتھ ایک تعارف بھوپال، احمد آباد اور سورت میں ہندتو حامی خواتین سے خواتین کے وفد کا لیا ہوا ایک انٹرویو بھی شامل ہے۔ قلمی معاونین کا تعلق مختلف علمی دلچسپیوں اور نسوانی ترغیبات و ترجیحات سے ہے۔ پرشوتم اگروال نے اپنے مضمون "سورت ساور کر اور دروپدی: سیاسی حربے کے طور پر عصمت دری کا جواز" میں ایک نئی دلیل پیش کی ہے۔

کتاب میں ہندو حقوق کی حدود میں خواتین کے انقلابی کردار کے بارے میں کئی سوالات اٹھا کر نئی بنیادیں فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہماری بے خبری کے دور میں تاریخی حقائق کے برخلاف ہٹلر کے جرمنی کے پیش نظریہ تصور کر لیا گیا تھا کہ روایت پر اصرار کرنے والے لوگ عورتوں کو عام سیاسی میدان میں اتارنے کے خیال کی حمایت نہیں کریں گے۔ ممکن ہے اس مفروضہ کو لاشعوری سطح پر اس جذباتیت پسند نسوانی تصور سے تقویت ملی ہو کہ عورتیں فطرتاً نرم مزاج اور رحم دل ہوتی ہیں اور اسی لئے فرقہ واریت کی اندر سے پر تشدد سیاست کے دام میں نہ آسکیں گی۔ لیکن حالیہ چند برسوں کے تجربات سے اس کی نفی ہوتی رہی ہے اور اسی لئے سکاتا بنرجی نے بمبئی میں بی جے پی اور اس کی انتخابی حلیف شیو سینا کے زیر اہتمام بمبئی میں تشدد کی تباہ کاری کا جائزہ لیا ہے۔ سیاست کے نظریاتی اور عملی پہلوؤں سے متعلق پیچیدہ لیکن اہم سوالات اٹھائے گئے ہیں خصوصاً اس بنا پر کہ اس سیاست کا رجحان خواتین میں بائیں بازو کی حریت پسندی میں رنگی ہوئی سیاسی فعالیت کی شناخت کی طرف زیادہ ہے۔ ہمارے اپنے کربناک اور حیرت ناک تاریخی تناظر میں صنفی

امتیازات سے وابستہ سوالات پر از سر نو غور کرنے کی کوششیں قابل ستائش ہیں۔

اس فکر انگیز اور بروقت منظر عام پر آنے والے مجموعے کے بیشتر قلم کاروں نے اس سوال سے خاص سروکار رکھا ہے کہ ہندو حقوق جس کی ایک پر تشدد تاریخ رہی ہے اس کا رخ عورتوں کی طرف کیوں پھیرا گیا ہے۔ اپنے مضمون "دی ہسٹری آف ڈوئنگ" (کارکردگی کی تاریخ) میں رادھا کمار نے خواتین تحریکوں کے حوالے سے ہندو حقوق کے نعرے کی اثر پذیری کے تضادات کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ہندو حقوق کا طاقت ور پہلو یہ ہے کہ اس تحریک کے دائرہ کار میں خواتین اپنے فرائض خانہ داری کے شانہ بشانہ ڈیمولیشن اسکواڈ کے لئے حلوہ پوری بھی تیار کر سکتی ہیں۔ اور یہ بھی گنجائش ہے کہ وہ پدری نظام کی خرابیوں اور صنفی سطح پر حق تلفی و ناانصافی سے آگاہی حاصل کیے بغیر تاریخ سازی کے عمل میں شریک ہو جائیں۔

آپ کی الجھنیں

آپ ذرا اپنے دل کو سنبھالیں اور اس لڑکی کی خواہش بھی تو معلوم کریں

اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔

سوال:۔ میں ایک عجیب الجھن میں مبتلا ہوں۔ وہ یہ کہ ایک لڑکی جو میرے قریبی رشتہ داروں میں ہے صورت شکل کی عمدہ ہے۔ اس کی بس نے صرف ایک جھلک جب سے دیکھی ہے میری عجیب حالت ہے غیر ارادی حرکات صادر ہو رہی ہیں۔ مزاج میں چڑچڑا پن بدرجہ اتم آگیا ہے۔ لیکن معاملہ یہ ہے کہ میرے گھر والے راضی نہیں ہیں کیونکہ گھر والے ہم دونوں پر شک کر رہے ہیں۔ اس صورت میں میں کیا کروں کیونکہ میرا یہ پکا ارادہ ہے کہ شادی کروں گا تو اسی سے ورنہ کسی اور سے نہیں کروں گا۔ امید کہ غور فرما کر تفصیلی نہ سہی سرسری جواب ہی عنایت فرمائیں گے۔ (س۔م۔ف۔ حیدر آباد)

جواب:۔ اے صاحب کیا قیامت ہے ذرا سنبھلئے اور ہمیں بھی سنبھلنے دیجئے۔ جب آپ کی الجھن پر غور کیا جائے گا تو جواب بھی تفصیلی دیا جائے گا۔ "سرسری" چہ معنی دارد۔ یہ آپ نے بڑی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا کہ لڑکی کی ایک جھلکی دیکھی اور غیر ارادی حرکات آپ سے صادر ہونے لگیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عزیزوں اور رشتہ داروں کی لڑکیاں آپ کے سامنے نہ آئیں۔ اپنے ذاتی کوائف مثلاً عمر، صحت، تعلیم، موجودہ پیشہ، خاندانی حالات نہ لکھ کر ہمارے لیے بڑی الجھن پیدا کر دی ہے۔ تاہم آپ کی عجلت پسندی سے ہم نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ ۲۰ سال یا اس سے کچھ ہی نکلتی ہوئی عمر ہے اور اگر اس سے زیادہ ہے تو اتنے کچے پن کا ثبوت نہیں دینا چاہیے تھا۔ جہاں تک اس کا سوال ہے کہ آپ شادی کریں تو مذکورہ رشتہ دار لڑکی سے تو اس کے لئے آپ کے لیے ضروری ہے کہ اس لڑکی کی خواہش بھی معلوم کر لیں۔ رہ گیا معاملہ گھر والوں کی مرضی کا تو اگر آپ گھر والوں کی کفالت میں ہیں تو ان کی مرضی پر عمل کرنا ہی ہو گا۔ اس صورت میں کہ آپ ایک ذمہ دار شخص کی حیثیت سے زندگی گذار رہے ہیں اور کسی کے محتاج نہیں ہیں اور اس کا یقین ہے کہ وہ لڑکی آپ کے لئے بہتر شریک حیات ثابت ہو گی تو اپنی مرضی کا اعلان کر سکتے ہیں۔

اگر آپ واقعی اس معاملے میں سنجیدہ ہیں تو غیر ارادی حرکات سے احتراز کریں صبر و ضبط سے کام لیں تاکہ آپ کے مزاج کی شگفتگی بحال ہو۔ اور آپ کو منزل مراد تک پہنچانے کا راستہ ہموار ہو سکے۔ اور اگر یہ محض جذبات کا ابال ہے تو اس حرکت سے باز آئیے آپ کا زیادہ نقصان نہیں ہو گا ہاں اس لڑکی کی رسوائی بہت ہو گی جو اس کے مستقبل کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

سوال:۔ میرے چچا کی شادی تیرہ سال پہلے ہوئی تھی۔ ان کے دو بچے ہیں۔ میرے چچا کسی عرب ملک میں مقیم ہیں۔ دس سال سے نہ وہ ہندوستان آئے، نہ چچی کو بلایا، نہ فون کرتے ہیں، نہ خط لکھتے ہیں اور نہ ہی گھر پر خرچ کے لیے کوئی رقم بھیجتے ہیں۔ آج تقریباً آٹھ سال سے زیادہ کا عرصہ گذر گیا میں ہی چچا کے گھر کا خرچ چلاتا ہوں۔ اب چچی کا اور میرا مکمل ارادہ ہے کہ ہم دونوں شادی کر لیں۔ کیا یہ شادی ہو سکتی ہے۔ میری اور چچی کی عمر میں چھ یا سات سال کا فرق ہے یعنی میں ان سے چھ یا سات سال چھوٹا ہوں۔ ہم دونوں اس شادی کے لیے راضی ہیں۔ ہم دونوں میں ابتک کوئی ایسا تعلق نہیں رہا ہے جسے حرام یا ناجائز قرار دیا جائے۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ (س۔ا۔ع، دمام)

جواب:۔ آپ اور آپ کی چچی شادی کرنے کے لیے راضی ہیں اسی لیے تو آپ نے ہمیں مراسلہ بھیجا ہے۔ جہاں تک عورت اور مرد

کے درمیان عمر کا فرق ہے تو اس میں کوئی شرعی اور اخلاقی عذر نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جب چچا نے دس سال سے اپنے بیوی بچوں کی کوئی خبر نہیں لی تو کیا آپ کے علاوہ ان کا کوئی ہمدرد و غم خوار باقی نہیں رہ گیا تھا۔ ان کے والدین، خاندان کے افراد عزیز رشتہ دار تو ہوں گے۔ آپ کے چچا کے والدین یا ان کے اعزہ و اقارب بھی ہوں گے۔ کیا انھوں نے آپ کے چچا کا پتہ چلانے اور ان سے کسی طور پر رابطہ قائم کر کے سمجھانے بجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ کون سے حالات پیش آئے جن کی بنا پر آپ چچی اور ان کے دو بچوں کی کفالت آٹھ سال سے کرتے چلے آئے ہیں۔ کیا اگر آپ کی چچی اپنے شوہر کی طویل مدت تک کوئی خبر نہ ملنے کے باوجود آپ سے شادی کرنے کا ارادہ ترک کر دیں تب بھی آپ ان کے گھر کے اخراجات اسی طرح پورے کرتے رہیں گے؟۔

فرض کر لیجئے کہ آپ ایک عرب ملک میں رہتے ہیں اور چچا کسی دوسرے عرب ملک میں۔ چچا کا جو پتہ آپ کے پاس ہو وہاں آس پاس آپ کے جاننے والے بعض لوگ ضرور موجود ہوں گے جن سے ان کے بارے میں واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے اور انھیں ان کے بیوی بچوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ یہ ایک کار خیر ہو گا جس کا اجر اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ پہلے سے ایک نشانہ طے کر کے چچی کے شوہر کو مفقود الخبر قرار دے دینا آپ کی نیت کو مشکوک بناتا ہے۔

Price Rs. 5/-
16 - 31 March 1996
Volume . 3, Issue . 6

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi - 110025 Phone : 6827018
Fax: (011) 6926030

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-11234/96

وقت کے پُل تلے بہتا پانی

ہر لمحے نہ جانے کتنا پانی وقت کے پل تلے بہہ جاتا ہے۔ زندگی ہر لمحہ تبدیلیوں کی زد میں ہے۔ کبھی کسی کو عروج ہے تو کبھی کسی کو زوال، بدلتی بھاگتی رواں دواں زندگی کا بھی عجب رنگ ہے۔ ہر لمحے نئے امکانات اور نئے خطرات۔

لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آنے والی ہر پریشانی اور پیش آنے والا ہر خطرہ اپنے اندر بے پناہ امکانات رکھتا ہے۔ ایسے امکانات جس کی چابی سے کامیابیوں کے بڑے بڑے دروازے کھل سکتے ہیں۔ البتہ اس حقیقت کا ہم میں سے شاید بہت کم لوگوں کو ادراک ہے کہ کوئی گزشتہ تین سو برسوں سے وقت کا پانی امت مسلمہ کے حق میں نہیں بہہ رہا ہے۔ آنے والا ہر لمحہ امت کو مزید پریشانیوں سے دو چار کئے دیتا ہے اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم میں سے اکثر کو ان پریشانیوں میں نئے امکانات کی تلاش کا فن نہیں آتا۔

مسلم دنیا کے فکری اور روحانی زوال اور ادھر مغرب میں متواتر علمی فتوحات نے گزشتہ چند صدیوں سے دنیا بھر میں اس کی برتری کا جو طلسم قائم کیا ہے اس سے اس احساس کو تقویت ملی ہے کہ وقت کے پانی میں موجوں کو اٹھانے والے اور پھر انہیں اپنے حق میں موڑنے والے ہاتھ اب مشرق میں نہیں بلکہ مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ بل کھاتی اٹھلاتی موجیں اب اگر مشرق کی طرف بڑھتی ہیں تو صرف ان کی تسخیر کے لئے ایک احساس فتحمندی کے ساتھ۔ رہنے سہنے کا ڈھنگ ہو، موسیقی اور آرٹ کا چلن ہو یا فیشن کی طلسماتی دنیا۔ یہ سب کچھ فی زمانہ مغرب سے آتا ہے اور مشرق کو بہالے جاتا ہے۔

دنیا کی واحد نظریاتی اسلامی مملکت پاکستان میں ویلس کی شہزادی ڈیانا کے دورے کو جو عوامی مقبولیت ملی اس سے بھی مسلم معاشرے کی بے چارگی، بے بسی اور کسی حد تک اپنے مسلم ہونے پر شرمساری کے احساسات کا پتہ چلتا ہے۔ کسے نہیں معلوم کہ اپنی ساری حسن و رعنائی کے باوجود شہزادی ڈیانا ایک غیر متقی معاشرے کی پروردہ خاتون ہیں جنہوں نے گزشتہ دنوں اپنے ناجائز جنسی تعلقات کی کہانیاں ٹیلیوژن پر سنائی ہیں۔ پھر شہزادی کی اپنی ذاتی زندگی اور اس کے اہداف بھی کچھ ایسے نہیں جسے کسی مسلم معاشرے میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاسکے۔ لیکن بے چارے پاکستانی مسلمان مغرب کی تہذیبی یلغار کے آگے اس قدر بے بس ہیں اور ان کا نیک و بد کا پیمانہ اتنا بدل چکا ہے کہ گناہوں میں لت پت ایک عورت کو وہ اپنے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ اس کے دورے کو اپنے لئے سعادت گردانتے ہیں اور چند لمحوں کے لئے ہی سہی پوری دنیا میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یتیم پاکستانیوں کو ڈیانا کی سرپرستی حاصل ہوگئی ہو۔ طرہ تو یہ ہے کہ اہل پاکستان خود کو مسلمان گردانتے ہیں۔ یہ کوئی اور نہیں آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔

بات یہ ہے کہ جب وقت کا پانی آپ کے حق میں نہ بہے تو اقدار الٹ جاتے ہیں۔ نیک و بد کے پیمانے گڈمڈ ہوجاتے ہیں۔ بھلے اور برے کی تمیز ختم ہوجاتی ہے، پھر کسی آوارہ عورت کو مسیحا اور محسن کے روپ میں قبول کرلینا آسان ہوجاتا ہے۔

دیکھا جائے تو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کچھ یہی صورت حال گزشتہ چند صدیوں سے پوری دنیا میں درپیش ہے۔ بے بسی کا یہ احساس کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ۔ ہندوستان میں لال قلعہ کے سقوط کے بعد وقت کا پانی مسلسل ہمیں غرقاب کئے دیتا ہے۔ سقوط کا یہ عمل ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ اسلامی علامتیں یکے بعد دیگرے غائب ہوتی جارہی ہیں۔ صرف دہلی کی سرزمین پر سینکڑوں مسجدیں نمازیوں کی راہیں تک رہی ہیں اور ان ہاتھوں کے لئے دعا گو ہیں جو ان مسجدوں پر پڑے تالوں کو توڑ سکیں۔

گزشتہ پچاس سالوں سے امت مسلمہ کی سیاسی قیادت کفار و مشرکین کے ہاتھوں میں ہے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء نے اس صورت حال کو قبول کر رکھا ہے۔ انہیں یہ بات اب سمجھ میں کم ہی آتی ہے کہ شریعت کی رو سے امت مسلمہ کے لئے غیر مسلموں کی سیاسی قیادت قبول کرنا حرام ہے اور یہ کہ کفار و مشرکین امت مسلمہ کے امور کی نگہبانی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے۔ لیکن وقت کے پانی کا دباؤ اتنا تیز ہے کہ

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی

یقیناً وقت کے پل تلے پانی کا بہاؤ بہت تیز ہے۔ مخالف تیرنا مشکل ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ موجوں کی دہشت ناک طغیانی اپنے باغیوں کو سنبھلنے سے پہلے ہی بہالے جانا چاہتی ہے۔ لیکن اگر امت کے اندر خطرات سے مشترکہ طور پر نمٹنے اور ان میں نئے امکانات تلاش کرنے کا داعیہ پیدا ہوجائے تو موجوں کا رخ موڑ دینا مشکل سہی ناممکن نہیں۔ ایسا اس لئے بھی کہ گزشتہ چند دہائیوں میں ایسے فدائین اسلام کی ایک کھیپ پیدا ہوگئی ہے جو موجوں کے رخ کو موڑ دینے کے لئے کامیاب امکانات کی نشاندہی کررہی ہے۔ مشرق مغرب جدھر بھی جائیے نوجوانوں میں اسلام کی طرف لوٹنے اور اسلام کی بنیادوں پر معاشرے کو منظم کرنے کا جوش و خروش پیدا ہوا ہے۔ اسی لندن میں جہاں شہزادی ڈیانا کا قصر واقع ہے ہر روز گنہ گار معاشرے سے نکل کر ایک صالح معاشرے کی طرف ہجرت کرنے والی خواتین اور مرد کی قابل ذکر تعداد اسلام کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ ڈیانا کے اسیر پاکستانیوں کو شاید یہ پتہ نہیں کہ گناہوں کا کریز اب مغرب میں بھی ختم ہوتا جارہا ہے۔ گزشتہ دنوں انڈونیشیا میں مسلم فیشن کو فروغ دینے کے لئے ایک خصوصی انڈسٹری کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس سے پہلے آسٹریلیا میں مسلم فیشن کے کئی مظاہرے ہوچکے ہیں۔ گویا ہر طرف اس بات کی کوشش ہورہی ہے کہ مغرب کے تہذیبی بہاؤ کو روک کر اسلام کے تہذیبی سرچشمے کو پھر سے جاری کردیا جائے۔ دنیا بھر میں باحوصلہ مسلمانوں کی نئی نسل وقت کے پانی کا رخ اپنے حق میں موڑنے کے لئے سرفروشانہ جد و جہد میں مصروف ہے۔ مغرب کی نقالی اب ماضی کی باتیں ہیں۔ یہ سب کچھ پرانا فیشن ہے، فرسودہ باتیں ہیں .... اے کاش کہ یہ باتیں پاکستانیوں کو بھی معلوم ہوتیں۔ * *